شہیدِ خدمت

یعنی

پادری وارث الدین صاحب مرحوم ایم۔بی۔ای

اسسٹنٹ ملٹری چیپلن۔عراق عرب

و

مشنری۔چرچ مشنری سوسائٹی۔پنجاب

کے سوانح حیات

سنہ ۱۹۲۸ء

۵۰۰

بار اول

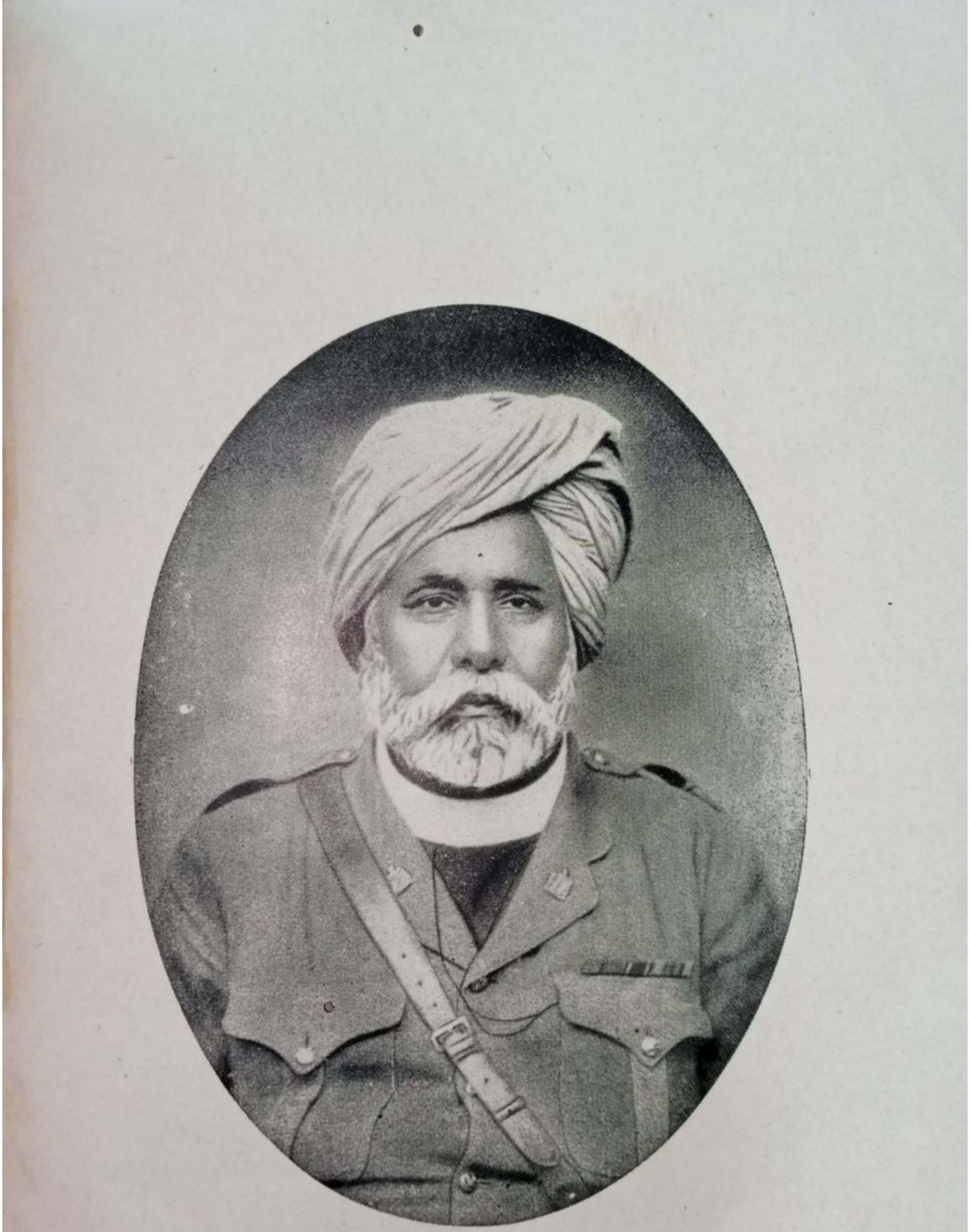

REV. WARISUDDIN, M.B.E.

CamScanner

شہیدِ خدمت

یعنی

پادری وارث الدین صاحب مرحوم کی سوانحعمری

قومیت | نارووال ضلع سیالکوٹ میں اگرچہ ہر ایک قوم کے لوگ بود و باش کرتے ہیں مگر نصف قصبہ خوجہ قوم سے آباد ہے۔ ہندوستان اور پنجاب میں حضرات خواجگان کی کئی قسمیں ہیں۔ نارووال کے خواجے اصل میں یہ رہنے والے ضلع ملتان کے ہندو روڑے ہیں جو بادشاہ محمد غوری اور شمس تبریز کے ایام میں مسلمان ہوئے۔ مسلمان ہونے کے بعد نارووال میں آکر آباد ہوئے۔ مذہب مسلمان مگر فرقہ شیعہ ہے اور بڑے متعصب شیعہ ہیں۔ گذشتہ زمانہ میں انکی عادت تھی کہ نارووال سے باہر نہیں جانا۔ بھوکے مرنا رہنا نارووال ہی میں۔ اِسلئے زیادہ حِصّہ قوم کا غریب اور نادار رہا۔ مگر اب وہ حالت نہیں۔ بیوپاری قوم ہے۔ ہر قسم کا بیوپار کر لیتے ہیں اکثر اِنمیں سود خور بھی ہیں۔ اب علم بھی حاصل کر گئے ہیں۔ اچھے اچھے سرکاری عہدوں پر مامور ہیں۔ خوشحال ہیں۔ لاہور۔ امرتسر۔ بٹالہ

سب جگہ بس گئے ہیں۔ اِس قوم میں بھیک مانگنے والا شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتا ہے مَیں نے اپنی زندگی میں دو اندھے دونوں بھائی بھیک مانگتے دیکھے ہیں۔ اِنکے مرنے کے بعد نہ معلوم کِسقدر دفینہ اُنکی کٹھیا سے نِکلا کہ اُنکے بھائی دولتمند ہو گئے اِس قوم میں مثل ہے کہ خوجہ اگر دیوانہ ہوگا تو وہ بھی ولی ہوگا۔ عام طور پر اگرچہ سب خوجے کہلاتے ہیں مگر امیر اور صاحب جائداد شیخ کہلاتے ہیں (اَیسے لوگ اکثر اس طرح بلائے جاتے ہیں۔ شیخ مبارک علی خوجہ) یہ قوم تعزیہ پرستی قبر پرستی میں مشہور ہے۔

اِس قوم میں ایک صاحب حیثیت بزرگ تھا جو چٹے محل والا (پنجابی) یعنی سفید محل والا مشہور تھا۔ جو شروع انگریزی زمانہ میں محصول چنگی کا ٹھیکیدار اور میونسپل کمیٹی کا نہ صرف ممبر بلکہ حسرمین بھی تھا۔ اِن ہی صاحب کا پوتا وارث علی تھا۔ جو بعد میں وارث الدین اور پادری وارث الدین کے نام سے مشہور ہوا۔

تعلیم۔ وارث علی جب تعلیم کے قابل ہوا تو مشن سکول میں داخل کیا گیا وہ زمانہ بڑا عجیب تھا۔ باتوں ہی باتوں میں انجیل گھول کر پلائی جاتی تھی۔ اُستاد اَیسے لائق اَیسے سادہ ایمان والے۔ اللہ اللہ آج ایسے اُستاد کہاں ہیں۔ ایک بات یہ بھی تھی کہ اُس وقت مشن سکول صرف تعلیم کی خاطر تھے۔ گرانٹ کی خاطر نہ تھے جیسا آجکل ہے۔ مرحوم پادری بھولاناتھ صاحب گھوش ہیڈ ماسٹر تھے۔ مرحوم میاں نصرت اللہ (یہ صاحب بھی شیخوں میں سے مسیحی تھے) بائبل ٹیچر پادری ہٹن صاحب مشنری۔

ہیڈ ماسٹر صاحب مرحوم ایسے سچے مسیحی تھے کہ اپنا سارا وقت انجیل کی خدمت میں گذار دیتے اور لڑکوں کے ساتھ نہ صرف اسکول ہی میں تعلق رکھتے تھے مگر سکول کے بعد لڑکے اُنکے گھر اِس طرح چلے آتے جس طرح اپنے والدین کے گھر میں۔ اِنکی میم صاحبہ دینداری میں اُن سے بھی چار قدم آگے تھیں۔ انکی اس پدرانہ اور مادرانہ محبت نے مسیح لڑکوں میں بسا دیا۔ مرحوم میاں نصرت اللہ کا کیا کہنا ہے وہ تو ایسے سادہ ایمان والے اور بے ریا مسیحی تھے کہ آجکل اُن سا بائبل ٹیچر مجھے نظر نہیں آتا۔ قصّہ کہانیوں کی طرح بائبل یاد کروا دیتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جس سال میں مسیحی ہوا اُس سال لیک میموریل کا امتحان تھا۔ میں بھی شامل ہو گیا۔ ایک کنورٹ نَو عُمر ۱۵ برس کا لڑکا بائبل کا امتحان کیا دے سکتا تھا مگر یہ اُنہی مرحوم کی عنایت سے تھا کہ بائبل بخوبی یاد تھی۔ کل پنجاب میں مَیں اوّل رہا اور انعام حاصِل کیا۔ مرحوم پادری بٹمن صاحب کا تو کیا کہنا ہے وہ آجکل کے مشنریوں کی طرح نہیں تھے کہ وادیِ وحشت انگیز میں سکونت کرتے۔ کوئی ملنے بھی جاوے تو خدمتگار اور بہرے کی خوشامد کرے کہ صاحب کو خبر دو۔ اب صاحب کے کھانے کا وقت ہے۔ اب حاضری کا وقت ہے۔ انکا گھر تو ایک قسم کی مونسٹری تھی۔ بنگلہ نہیں تھا۔ خوجوں کے محلّہ میں صرف ایک کوٹھری تھی جس میں وہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انکا دروازہ دن اور رات ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ آنے جانے کی کوئی رُکاوٹ نہ تھی ہر وقت مسیح کا تذکرہ جاری رہتا تھا کھیل کُود میں بھی یہی حال تھا۔ مَیں نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ لڑکے اُنکے بستر پر لیٹے

ہیں وہ چوکی پر بیٹھے اُن سے باتیں کر رہے ہیں (کیا آجکل مشنریوں کا یہی حال ہے۔ مَیں نے ایک مشنری سے کہا کہ آپکے سکول کے لڑکے (مسیحی بورڈرز) بہت شریر ہیں کہنے لگے کہ تعلیم تو بہت دیجاتی ہے۔ میں نے عرض کی کہ تعلیم کِسی کو نیک نہیں بنا سکتی۔ آپ نے آدھ گھنٹہ سکول میں جاکر تعلیم دی۔ اس سے کیا ہوتا ہے دِن رات انکے بورڈنگ میں جاکر رہیئے۔ اپنی زندگی کی تاثیر ان پر ڈالئے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے عرض کی کہ پھر یہ بھی مسیحی نہیں ہوسکتے)۔

خیال فرمائیے کہ مرحوم پادری بٹمین صاحب ایک امیر کبیر آدمی اور آنریری مشنری تھے۔ انہوں نے انجیل کی خدمت میں آپکو قربان کر دیا۔ اس مرحوم کے قدموں میں تعلیم پائے ہوئے کنورٹ کسقدر دین کی خدمت پر مامور ہوئے۔ اگرچہ آرڈین منسٹر تو چھ سات ہی ہوئے مگر دین کے غیرتمند اور انجیل کے فدائی خداوند یسوع کے پیارے سب ہوئے۔ اِن میں سے اکثر سو گئے اور کئی ایک ابتک باقی ہیں۔ یہ صرف مرحوم کی مسیحی خود انکار زندگی اور دن رات شاگردوں کے درمیان رہنے کا نتیجہ ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ مرحوم پادری بٹمین صاحب کی کٹھیا۔ مرحوم پادری گھوش صاحب کا گھر۔ مرحوم میاں نصرت اللہ کا بکین کا درخت جہاں دوپہر کو رونق ہوتی اور انجیل پڑھی جاتی آجکل کے اعلیٰ سے اعلیٰ ڈیونٹی سکولوں سے بڑھکر تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک سید لطف شاہ نامی متلاشی تھا۔ دوپہر کو میاں نصرت اللہ کے پاس آیا کرتا تھا۔ ہم سکول کے لڑکے بھی اکثر جایا کرتے تھے۔ گرمی کی دوپہر

ہے۔نیند بھی آرہی ہے۔ لطف شاہ انجیل پڑھ رہا ہے۔ پڑھتے پڑھتے پوچھتا ہے (مبلغ علم بھی اسکا پکی روٹی تھی) میاں جی وہ پہاڑ پر چڑہگ اسکا کیا مطلب ؟ اصل میں فقرہ تو یہ تھا کہ "وہ پہاڑ پر چڑھ گیا" یا چھوڑ دے اور چڑہگ پڑھے پھر پوچھتا ہے کہ میاں جی اسکیو کیا۔ اصل میں تھا "اُسکیوا سطے" مجھے ابتک وہ وقت یاد ہے اگرچہ نصف صدی سے زیادہ گذر گیا۔ وہ لطف شاہ کا چڑگیا کو چڑہگ پڑھنا اور اُسکیوا سطے کو اسکیوا پڑھنا ہنستے ہنستے پیٹ پھول گئے۔ لطف نہیں بھولتا۔ ہاں وہ میاں نصرت اللہ ہی تھے کہ کند ذہن اور اُجڈ متلاشیوں کو محبت سے خداوند کی خاطر سنبھالنے اور نجات کی راہ بتانے میں ذرا فرق نہ کرتے۔ شیخ وارث علی صاحب نے اسی جگہ ایسے استادوں سے مسیح خداوند کی تعلیم حاصل کی یہ کس طرح دل سے نکل سکتی تھی۔ چونکہ نرم زمین تھی اچھی طرح نرائی گئی۔ ایمان کے ساتھ کلام کا بیج بویا گیا۔ وہ نہ تو شیطان لے جاسکا اور نہ پاؤں تلے روندا گیا اور نہ کانٹوں نے دبالیا بلکہ اُگا اور سو گنے پھل لایا۔

سکول ہی میں میرا اور وارث علی کا تعلق دوستانہ ہوتا گیا۔ میرا نام رحمت علی اور وہ وارث علی۔ ہم اکثر اکٹھے رہتے تھے۔ یہ نہیں کہ ہم صرف انجیل پر ہی متفق تھے بلکہ اپنے شیعہ مذہب میں بھی کم غیر تمسد نہ تھے محرم کے ایام میں تعزیہ داری کرنا۔ مرثیے پڑھنا اور سُننا۔ نماز پڑھنی روزے رکھنے اسلام کے سب کام بجا لاتے تھے۔

ہاں ایک بات مَیں بھول گیا وہ بہت ضروری ہے۔ اگرچہ مسیحیت ان بزرگوں نے سکول کے لڑکوں کے اندر کُوٹ کوٹ کر بھر دی مگر سکول کے دُوسرے ہندو مسلمان اُستاد بھی نہایت شریف اور غیر مُتعصب تھے۔ خصوصاً فارسی کے مدرس مولوی احمد بخش صاحب ایک صوفی منش مسلمان تھے۔ اُنہوں نے کبھی کسیکو انجیل پڑھنے اور مسیحی ہونے سے نہ روکا تھا۔ آج مشن سکولوں کا حال بالکل اسکے خلاف ہے۔ آجکل کے مشنریوں کے متلاشی ناردمنی ہیں۔ متلاشی نوخیز مسیحیوں کو بھی بہکا لیتے ہیں۔

سکول کو صدمہ

اس تعلیم کی تاثیر یہ ہوئی کہ بہت لڑکے مسیحی ہونے کے واسطے تیار ہو گئے۔ چونکہ عُمریں چھوٹی تھیں اس لئے ہچکچاتے رہے۔ لیکن جب ۱۸۷۳ء میں خوجوں کا ایک خاندان مسیحی ہُوا تو مشن سکول بالکل خالی ہوگیا۔ تمام لڑکے بھاگ گئے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک وقت صرف ۵ یا ۱۰ لڑکے تھے مگر سکول بند نہیں ہُوا۔ اُستاد آتے اور وقت پورا کر کے چلے جاتے۔ آخر آہستہ آہستہ پھر آنے لگے اور سکول بدستور چلنے لگا۔

وارث علی کا گھر سے بھاگ آنا

چونکہ میں مسیحی ہوگیا۔ بہت لڑکے بھاگ گئے وارث کو میرے ساتھ کمال محبت تھی وہ بھی بھاگ کر پادری بھولا ناتھ کی کوٹھی آگیا۔ یہ کوٹھی شہر سے کوئی نصف فرلانگ کے فاصلہ پر تھی۔ وارث کوئی عام آدمی کا بیٹا نہ تھا کہ لوگ اسکی طرف توجہ نہ دیتے۔ تمام قصبہ میں ہلچل مچگئی۔ ملنے کے

واسطے رشتہ دار آتے مِل جاتے۔ دو ایک دِن تو ایسا ہوتا رہا۔ ایک دِن صُبح کے وقت ابھی سورج نکلا ہی تھا کہ کسی نے آکر کہا کہ وارث کی والدہ ملنے کو آئی ہے۔ احاطہ کے ساتھ ہی ایک گنّے کا کھیت تھا وہاں کنارے پر بیٹھی تھی۔ چونکہ وارث کا والدہ کے ساتھ بہت پیار تھا وارث سے پُوچھا گیا کہ کیا والدہ سے ملوگے اُس نے کہا ہاں۔ چونکہ دس پندرہ قدم سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ وہ بے کھٹکے اکیلا ملنے کو چلا گیا۔

وارث کا بھگا لیجانا ابھی وہ وہاں پہنچا ہی تھا کہ گنّے کے کھیت میں سے ۵۔ سات مشٹنڈے جوان حضرات خواجگان نکل آئے اور اس طرح اُٹھا کر لے گئے جس طرح بھیڑیا کسی بچّہ کو اُٹھا کر لیجاتا ہے مسیحی دیکھتے اور ہاتھ ملتے ہی رہ گئے۔

مجھے ابتک وہ وقت یاد ہے۔ اگرچہ ایک عمر بیت گئی۔ اور وارث بھی سو گیا۔ لیکن یہ واقعہ میری آنکھوں کے سامنے اس طرح ہے جیسے کل کا واقعہ ہے۔ کچھ شک نہیں کہ وارث کا گھر سے بھاگ کر مسیحیوں کے پاس آجانا۔ والدین اور رشتہ داروں کے واسطے سخت مُصیبت تھی۔ مگر وارث کا یوں ہمارے ہاتھوں سے نکل جانا سخت حادثہ تھا۔ ہمارے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ ہم جانتے نہیں تھے کہ کیا کریں ایسا معلوم ہوا کہ ہمارے بھائی کو شیر اُٹھا کر لے گیا اور پھاڑ کھائیگا۔ معلوم نہیں اِس پر کیا کیا ظلم کرینگے۔ اسی واقعہ کی بابت جب وارث کے خداوند میں سو جانے کی خبر پادری سالک صاحب کو ملی تو ماتم پُرسی کے خط میں تحریر

فرماتے ہیں:-

پادری سالک کے خط سے اقتباس

جب میں نے بزرگ وارث الدین کے انتقال کی خبر سُنی تو مجھے وہ سب پُرانی صحبتیں اور باتیں یاد آگئیں اور تمام واقعات چشم زدن میں آنکھوں کے سامنے پھر گئے جو کہ اُنکے مسیحی ہونے کے موقعہ پر واقع ہوئے تھے۔ کیسی کیسی کوششیں ان دنوں میں میں نے اور آپ نے کیں۔ یہانتک کہ ہم دونوں نے اُنکی خاطر روزے بھی رکھے۔

اس ذرا سے فقرہ سے آپ اُس زمانہ کی دینی غیرت کا اندازہ لگا سکتے ہیں نیز کہ آپسمیں مسیحی بنیاد پر ہماری کیسی محبت تھی۔ وارث کا چُرایا جانا ایسا صدمہ نہ تھا کہ ہم آسانی سے برداشت کر سکتے۔ اُس دِن اگرچہ شیخوں کے ہاں عید تھی۔ مگر مسیحیوں کے ہاں سوگ تھا۔

مقدمہ الغرض وارث کو لے گئے اور ہمیں اُسکی کوئی خبر نہ ملی۔ چونکہ معاملہ نازک تھا۔ پادری بٹلین صاحب نے مجسٹریٹ ضلع کے ہاں نالش کی کہ مذہبی آزادی میں رُکاوٹ ڈالی جاتی ہے۔ عدالت کی پیشی میں اگرچہ عدالت کا ایمان قائم تھا مگر قانونی عُمر ایک سال کم تھی۔ وارث والدین کے سپرد کیا گیا۔ اب یہ سال ہمارا کِس طرح گذرا ہم ہی جانتے ہیں۔ دِن رات وارث کا وظیفہ کرتے۔ اُسکے حق میں دعائیں کرتے۔ گویا محبوب کے فراق میں اختر شماری رہتی تھی۔ ہمارا تو اِدھر یہ حال تھا اُدھر وارث پر یہ سختی تھی کہ کسی عیسائی سے نہ مل سکے۔ اکیلا دوکیلا اِدھر اُدھر نہ نکلے

چونکہ خوجے نہایت غصہ میں بھرے تھے۔ مسیحی بھی حوصلہ نہ کرسکتے تھے کہ وارث سے مل سکیں۔ پادری ٹمین صاحب نے بارہا کوشش کی کہ کسی طرح وارث کے ایمان کی خبر ملے مگر نہ ملی۔ اگرچہ کئی دفعہ اُنکو دھوکا دیا گیا کہ وارث ملا ہے اور اسکا ایمان قائم ہے مگر یہ سب جھوٹ تھا۔ جیوں تیوں کرکے سال گذرا۔ جب اُسکی عُمر میں قانون کے مُطابق ایک آدھ ہفتہ رہگیا تو اب سرتوڑ کوشش ہونے لگی کہ کس طرح وارث سے ملا جاوے۔ پادری سالک صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

اُس وقت کی بے چینی اور بے قراری نے کِسقدر ہم دونوں کو بیقرار رکھا اور پادری گھوش صاحب ہماری تسلی دینے والے اور رہبر تھے۔

وارث کا پھر ملنا اِسی حالت بیم ویاس میں ایک دن کا ذکر ہے۔ وہ وقت بھی مجھے یاد ہے۔ تیسرا پہر تھا۔ میں بازار سے گذر رہا تھا۔ دیکھا کہ سامنے وارث جارہا ہے۔ میں چور نظر سے اسکو دیکھتا رہا کہ کدھر جاتا ہے۔ جب بازار ختم ہوگیا تو سامنے ہندو محلہ کی گلی تھی وہ اُسطرف کو گیا۔ میں بائیں طرف کی گلی کو چلدیا۔ تھوڑی دور جاکر میں ایسا بھاگا۔ میں سمجھ نہیں سکتا کہ کون مجھکو بھگائے لیگیا۔ اُس گلی سے چکّر کھاکر عین وارث کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ہم ایک دوسرے سے چار آنکھیں ہوتے ہی چند سیکنڈ تو سکتے کے عالم میں رہگئے۔ چونکہ یہ محلہ ہندوؤں کا تھا ہم بے فکری سے آپسمیں گلے ملے۔ تاہم زیادہ دیر ٹھہرنا مناسب نہ تھا۔

میں نے پوچھا ایمان کا کیا حال ہے؟ جواب دیا قائم ہے۔

میں۔ ابتو وقت پورا ہوگیا۔ کب واپس آوگے؟

وارث۔ مجھے تو نکلنے نہیں دیتے۔ ہر وقت آگے پیچھے لگے رہتے ہیں مگر آپ پادری ہیمین صاحب سے کہدیں کہ سنیچر کے روز مجھے نونار یا سنکھترے (مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ اِن دونوں میں سے کس گاؤں کا نام لیا۔ مگر ہر دو گاؤں میں اُنکے رشتہ دار تھے) جانا ہے۔ سو میں صبح گھر سے نکلکر فوراً بجاے سنکھترے کے صاحب کے پاس آجاؤنگا۔

میں۔ کیا اس عرصہ میں کبھی کوئی مسیحی تم سے ملا ہے؟ یا کسی کے ہاتھ پیغام بھیجا ہے؟

وارث۔ نہیں۔

آجتک جب کبھی ہم آپسمیں پُرانی باتوں کا تذکرہ کیا کرتے تو وارث ہمیشہ یاد رکھتا کہ سب سے پہلے آپ مجھے ملے تھے۔ اِس بات کو یاد کرکے ہم نہایت مسرور ہوتے تھے۔

جسوقت میں نے پادری ہیمین صاحب سے اس بات کا ذکر کیا کہ وارث سے مِلکر آیا ہوں۔ اس خبر سے جو خوشی حاصِل ہوئی اسکا اندازہ لگانا مشکل ہے جیسے کسی عزیز کے مُردوں میں سے زندہ ہونیکی خبر سے ہو۔ اُسیوقت صاحب موصوف نے حفاظت کا انتظام شروع کر دیا۔ اُنکا خیال تھا۔ بلکہ ایک یقینی بات تھی کہ وارث کے پھر آنے سے سخت ہنگامہ ہوگا۔ اسلئے اُنہوں نے سیالکوٹ میں صاحب ڈپٹی کمشنر کو خبر دینی مناسب سمجھی۔ لیکن وہ اِس خبر کو نہ ڈاک میں دینا چاہتے تھے نہ کسی غیر شخص کے ہاتھ خط بھیجنا چاہتے تھے۔ دیوار گوش دارد کے خیال سے اس بات کی ہوا نکلنے نہ دینا چاہتے تھے کہ کہیں چڑیا مضمون نہ لے اُڑے۔ میرے والد سے اُنہوں نے کہا کہ آپ

سیالکوٹ چٹھی لیکر جاویں۔ انکو کیا انکار تھا۔ وہ خود ہی بڑے غیرتمند صاحب ایمان تھے تیار ہوگئے۔ مجھے صاحب نے کہا کہ تم بھی ساتھ جاؤ اپنے والد کی مدد کے واسطے۔ غرضکہ ہم روانہ ہوگئے۔ برسات کے دِن۔ ندی نالے چڑھے ہوئے۔ ۳۲ میل کا سفر۔ سخت گرمی۔ عین دوپہر کے وقت ہم سیالکوٹ میں صاحب ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی پہنچے۔ خدمتگار سے کہا کہ صاحب کو ملنا ہے اور چٹھی دینی ہے۔ خدمتگار بھی صاحب لوگوں کے آپ جانتے ہیں کہ فرعونی مزاج۔ صاحب بہادر سو رہے ہیں۔ چٹھی دیجاؤ۔ جب اُٹھینگے تو دیدیجائیگی ہم نے منت سماجت کی مگر وہاں منت سماجت کیسی، وہاں تو مبلغ کی ضرورت تھی اور یہاں اللہ کا نام تھا۔ چٹھی تو ہم اُسکو دے ہی نہ سکتے تھے۔ ذرا زور زور سے جو بولے تو صاحب بہادر سُنکر باہر نکل آئے۔ بڑی شرافت سے پوچھتے ہیں کیا بات ہے؟ مَیں نے جھٹ پادری بٹمین صاحب کی چٹھی انکے ہاتھ میں دیدی۔ چٹھی لیکر اندر چلے گئے کوئی ۲-۳ منٹ بعد ہم دونوں باپ بیٹوں کو اندر بلا لیا۔ عزّت کے ساتھ بٹھایا۔ کچھ کھلایا یا پلایا بھی سچ پوچھو تو اس زمانہ کے سولین ملٹری افسر ایماندار شریفوں کے بیٹے خاندانی ہوا کرتے تھے۔

صاحب ڈپٹی کمشنر نے فرمایا کہ صاحب نے بہت ضروری کام کے واسطے تمکو بھیجا ہے سو جلدی واپس جانا ہے۔ اگرچہ آپ تھکے ہوئے ہیں مگر جانا ضروری ہے۔ مَیں نے کہا کہ ہم تیار ہیں۔ اُسیوقت صاحب نے اپنا اردلی بھیجکر یکہ منگوایا۔ چٹھی لیکر ہم روانہ ہوگئے۔ ہمکو کچھ نہیں بتایا کہ

کیا جواب دیا۔ غالباً انہوں نے یہ سمجھا کہ ہمکو پادری صاحب کی چٹھی کے مضمون سے بھی آگاہی نہیں۔ واپسی کے وقت بہت تکلیف اُٹھائی مگر وہ تکلیفیں ہمارے لئے عین راحت تھیں اسلئے اُن تکالیف کا ذکر کرنا لاحاصل ہے جو تکلیف موجب راحت ہو اُسکا ذکر ہی کیا۔ بخیریت ہم دُوسرے دن واپس نارووال پہنچگئے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ چٹھی میں کیا تھا اور نہ صاحب نے ہمیں خبر دی۔ دوسرے دِن ہم کیا دیکھتے ہیں کہ کپتان پولیس۔ پسرور کا تحصیلدار۔ رعیہ کا تحصیلدار۔ نارووال میں موجود ہیں لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ یہ لوگ کیوں آئے ہیں۔

اپنے اقرار پر وارث آگیا لیکن کسی کو پتہ نہیں۔ ٹیمن صاحب کی مونسٹری کے صحن میں کچہری لگ گئی۔ کپتان اور ہر دو تحصیلدار بیٹھ گئے۔ وارث کے باپ اور دادے اور شہر کے رئیسوں کو سمن بھیجدئے گئے۔ لاہور شہر تو تھا ہی نہیں کہ کسی کو تلاش کرتے گھنٹے خرچ ہو جاویں۔ پانچ چھ ہزار نفور کی آبادی کا قصبہ چند منٹوں میں سب حاضر ہو گئے۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو کپتان صاحب نے تقریر کی کہ تمہارا لڑکا وارث علی گذشتہ سال عیسائی ہونے لگا تھا جسکو تم پکڑ کر لے گئے تھے اور عدالت سے بہ سبب کم عُمر ہونے کے واپس تمکو مل گیا تھا۔ اب اُسکی عُمر پُوری ہو گئی ہے۔ اگر اب وہ مسیحی ہونا چاہے تو تمکو کیا عذر ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمکو کیا عذر ہے۔ ہو جاوے۔ کپتان صاحب نے کہا کہ جھگڑا فساد تو نہیں کروگے۔ جواب دیا کہ نہ صاحب ہماری کیا مجال ہے۔ اِن بیچاروں کو

یہ تو خبر ہی نہ تھی کہ وارث اُنکے قابو میں ہی وہ سمجھے تھے کہ وارث گاؤں کو گیا ہوا ہے۔ علاوہ اسکے ایک سال ہو گیا نہ وہ عیسائیوں سے ملا ہے نہ اُنکی صحبت میں رہا ہے۔ قرآن پڑھتا ہے۔ نمازیں ادا کرتا ہے۔ اب وہ کہاں عیسائی ہونے لگا ہے۔

کپتان صاحب نے کہا کہ وارث کہاں ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ گاؤں کو گیا ہوا ہے۔ وارث تو اندر بیٹھا چک میں سے سب کچھ دیکھ سُن رہا تھا۔ کپتان صاحب نے وارث کو آواز دی۔ وہ جھٹ باہر نکل آیا آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اُسوقت اُسکے رشتہ داروں کی کیا حالت ہوئی ہوگی میں انکی حالت کا نقشہ کھینچ نہیں سکتا۔ جسوقت وارث باہر نکلکر اُنکے سامنے ہوا۔ وہ تو بالکل حواس باختہ ہو گئے۔ بدن خشک ہو گئے۔ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں۔

کپتان۔ وارث تم یہاں کیوں آئے ہو؟

وارث۔ مسیحی ہونے کے واسطے۔

کپتان۔ کیا تمکو گھر میں کوئی تکلیف ہے؟

وارث۔ بالکل نہیں۔ مجھے سب پیار کرتے ہیں۔ میں بڑے آرام سے رہتا ہوں۔

کپتان۔ تو پھر تم عیسائی کیوں ہوتے ہو؟

وارث۔ نجات کی خاطر۔ اسلام میں نجات نہیں نجات صرف مسیح سے ہے۔

کپتان۔ تم پادری صاحب کے پاس رہنا چاہتے ہو یا ماں باپ کے گھر جاؤ گے؟

وارث۔ میں پادری صاحب کے پاس رہونگا۔

CamScanner

کپتان ۔ کیا تمکو کسی نے کچھ لالچ دیا ہے ؟
وارث مجھکو کسی نے کیا لالچ دینا ہے۔ میرے گھر میں سب کچھ ہے۔ وہ سب کچھ چھوڑ کر میں آرہا ہوں۔ ماں باپ ۔ بھائی بہن چھوڑ رہا ہوں۔ سوائے نجات کے لالچ کے اور کوئی لالچ نہیں ہے ۔

ایسی بھری مجلس میں اپنے رشتہ داروں کے سامنے ایک لڑکے کا یوں دلیری سے مسیح کا اقرار کرنا اور تمام جائداد پر لات مارنا اگر معجزہ نہیں تو کیا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ وارث کسی لالچ سے عیسائی ہوا تھا ۔

کپتان صاحب نے پوچھا کہ کیا آپلوگ وارث سے سوال کرنا چاہتے ہیں اُنھوں نے جواب دیا کہ اب کیا سوال کرنا ہے ۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ اب تک اسکے دل میں مسیح بیٹھا ہوا ہے ۔

اس مقدمہ کے درمیان ایک اور مقدمہ شروع ہوگیا۔ مرحوم پادری دینا ناتھ پادری کاشی ناتھ کے والد مسیحی ہوچکے تھے مگر اُنکے رشتہ دار انکو پکڑ کر لیگئے تھے ۔ نارووال سے ایک کوس کے فاصلہ پر اُنکا گاوں تھا۔ کئی بار اُنکے لانے کو آدمی بھیجا مگر وہ نہ آئے ۔ ذرا کمزور دل کے تھے ۔ رشتہ دار آنے نہیں دیتے تھے ۔ وہ زبردستی آتے نہیں تھے ۔ چونکہ پادری ہٹمن صاحب کا یہ خیال تھا کہ اُسکے رشتہ داروں نے اُسے زبردستی رکھا ہوا ہے ۔ کپتان صاحب نے اُنکے نام سمن جاری کردیا۔ وہ بھی آن حاضر ہوئے ۔ پھر واپس گاؤں کو نہ گئے ۔ کچہری برخاست ہوگئی ۔ قصبہ میں نئے سرے سے ہلچل پڑگئی ۔ ایکدفعہ پھر سکول کو صدمہ پہنچگیا۔ لیکن وارث کے واپس آنے کے سامنے ایسے ہزار صدمے کچھ حقیقت نہیں رکھتے تھے ۔ پادری سالک

صاحب اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ عین تاریخ کو آئندہ سال وہ اپنی پیاری جماعت میں آ شامل ہوئے۔ وارث کا واپس آنا ایسا تھا جیسا مُردوں میں سے جی اُٹھنا۔ چونکہ اب کوئی روک ٹوک نہ تھی بپتسمہ دیا گیا۔

وارث کا ولایت جانا

چونکہ ابھی نوزائیدہ فرزند تھے۔ پختہ کار نہ تھے انکے رشتہ دار لگے رہتے تھے کہ کسی طرح وارث کو پھر قابو کریں۔ اسلئے مناسب سمجھا گیا کہ وہ کچھ عرصہ کے واسطے نارووال سے دُور رہیں۔ چونکہ اُنہی ایام میں پادری بیٹمن صاحب بہ سبب علالت طبع ولایت تشریف لیجانیوالے تھے۔ حفاظت مشکل تھی۔ اسی سال نارووال کے دت برہمن خاندان میں سے دینا ناتھ[1] مسیحی ہو گیا تھا اور وہ وارث کا عزیز اور ہم سب کا پیارا تھا۔ خود دینا ناتھ صاحب اپنے مضمون یادرفتگاں میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ: "وارث کے مسیحی ہونے کے ایک سال بعد خداوند نے مجھکو بھی طاقت بخشی کہ میں بھی بپتسمہ کے ذریعہ اسکا اقرار کروں۔ اس میں بھائی وارث نے میری بڑی مدد کی مجھے خوب یاد ہے کہ جب وہ اور احمد مسیح مرحوم مجھے لاہور محلہ استھان میں ملنے آئے اور مجھے تسلی دی اور ترغیب دی کہ بپتسمہ لینے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ انکے چہرہ پر ایک آسمانی نور اور خوشی مجھے نظر آئی کہ میں نے بھی اس سے زور حاصل کیا اور انکے ہاتھ پادری بیٹمن صاحب کے پاس پیغام بھیجدیا کہ میں اب پھر بپتسمہ کے لئے تیار ہوں۔ دوسرے روز میں اپنی خالہ کے گھر سے بھاگا اور اسی [illegible]

[1] مسیحی ہونے پر آپکا نام دینا ناتھ پرنیو رکھا گیا جو اب ڈاکٹر ڈی۔ این۔ پی۔ [illegible] مشہور ہیں۔

صاحب اپنے خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ عین تاریخ کو آئندہ سال وہ اپنی پیاری جماعت میں آشامل ہوئے۔ وارث کا واپس آنا ایسا تھا جیسا مُردوں میں سے جی اُٹھنا۔ چونکہ اب کوئی روک ٹوک نہ تھی بپتسمہ دیا گیا۔

وارث کا ولایت جانا چونکہ ابھی نوزائیدہ فرزند تھے۔ پختہ کار نہ تھے انکے رشتہ دار لگے رہتے تھے کہ کسی طرح وارث کو پھر قابو کریں۔ اسلئے مناسب سمجھا گیا کہ وہ کچھ عرصہ کے واسطے نارووال سے دُور رہیں۔ چونکہ اُنہی ایام میں پادری ہٹمن صاحب بہ سبب علالت طبع ولایت تشریف لیجانیوالے تھے۔ حفاظت مشکل تھی۔ اسی سال نارووال کے دت برہمن خاندان میں سے دینا ناتھ مسیحی ہوگیا تھا اور وہ وارث کا عزیز اور ہم سب کا پیارا تھا۔ خود دینا ناتھ صاحب اپنے مضمون یادرفتگاں میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ: "وارث کے مسیحی ہونے کے ایک سال بعد خداوند نے مجھکو بھی طاقت بخشی کہ میں بھی بپتسمہ کے ذریعہ اسکا اقرار کروں۔ اس میں بھائی وارث نے میری بڑی مدد کی مجھے خوب یاد ہے کہ جب وہ اور احمد مسیح مرحوم مجھے لاہور محلہ استھان میں ملنے آئے اور مجھے تسلّی دی اور ترغیب دی کہ بپتسمہ لینے میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔ اسکے چہرہ پر ایک آسمانی نور اور خوشی مجھے نظر آئی کہ میں نے بھی اس سے زور حاصل کیا اور اُسکے ہاتھ پادری ہٹمن صاحب کے پاس پیغام بھیجدیا کہ میں اب پھر بپتسمہ کے لئے تیار ہوں۔ دوسرے روز میں اپنی خالہ کے گھر سے بھاگا اور اُسی روز امرتسر کے

سلہ مسیحی ہونے پر آپکا نام دینا ناتھ پریتو رکھا گیا جو اب ڈاکٹر ڈی۔ این۔ پی رتاسول سرجن (پنشنر) کے نام سے مشہور ہیں۔

ہندوستانی گرجا میں بپتسمہ پالیا۔ بھائی وارث الدین نے پیشتر اس پاک رسم کی ادائیگی کے مرحومہ مسز ایلمزلی صاحبہ کے بنگلہ پر میری چٹیا کاٹی اور اُس قینچی (مقراض) کی آواز جس نے اُسوقت میرے تمام بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیئے تھے ابتک میرے کانوں میں ہے۔ اس طرح سے پادری صاحب میرے دھرم بھائی بن گئے اور آخری دم تک بھائی بنے رہے۔"

اب ایک کی بجاے دونوں مُرید پادری ہمٹن صاحب کی حفاظت میں آگئے۔ ان دونوں کے والدین موقعہ ڈھونڈھتے اور دانو پر لگے رہتے تھے حفاظت آسان کام نہ تھا اسلئے ولایت جاتے ہوئے پادری صاحب ان دونوں نوزائیدہ بچوں کو اپنے ساتھ ہی ولایت کو لے گئے اور چھ مہینہ تک ولایت میں رہے۔ جب وہ یہاں سے ولایت کو روانہ ہوئے تو انگریزی پہلی دوسری کتاب سے زیادہ نہ جانتے تھے مگر اپنی خداداد لیاقت سے ان چھ ماہ کے اندر انہوں نے خوب ترقی کی۔ اچھی طرح سے بولنا لکھنا پڑھنا آگیا۔ انہی چھ ماہ کی تعلیم نے اُنکو ایسا پختہ کار کر دیا کہ اس سے زندگی بھر کے لئے انگریزی خواں ہو گئے۔ اسکے بعد انکو تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ نہیں ملا

کرسچن سلطور

ابتدائی ایام میں پادری ہمٹن صاحب مرحوم میں یہ خوبی تھی کہ جسکو جس کام کے لائق دیکھتے اس پر اُسکو لگاتے۔ یا اُسکی طبیعت کے موافق کام مہیّا کرتے مگر آخری ایام میں وہ عام مشنریوں کی مانند ہو گئے تھے۔ اس بات کی پرواہ نہ کرتے تھے

کہ کون کس کام کے لائق ہے۔ انہوں نے وارث الدین کی بابت سوچا کہ وہ ایک بیوپاری قوم کا فرزند ہے۔ بیوپار اُسکی طبیعت کے موافق ہے۔ اسلئے اُنہوں نے سوداگری کی دوکان کی تجویز کی۔ ایک کمپنی بنائی اور امرتسر ہال بازار میں "کرسچن سٹور" کے نام سے دوکان کھولدی اور وارث الدین کو اس پر مقرر کردیا۔ وارث الدین کے اپنے بھی اس میں کچھ حصے تھے دوکان بخوبی چلی۔ دس سے بیس فیصدی تک منافع ہونے لگ گیا۔ مگر چونکہ ناتجربہ کاری تھی اور بعض حاسد بھی پیچھے لگ گئے۔ جو اس ترقی کو ایک آنکھ نہ دیکھ سکے۔ کسی نہ کسی طرح کچھ گھاٹے کی صورت نظر آنے لگی تو بعض حصہ داروں نے شور مچا دیا۔ چنانچہ اس طوفان بے تمیزی میں وارث الدین دوکان سے الگ ہوگیا اور دوکان ایک اور بابو صاحب کے سپرد کی گئی جنہوں نے تھوڑے دنوں میں دیوالہ نکالکر رکھدیا۔ "کرسچن سٹور" کا خاتمہ ہوگیا مگر وارث الدین نے اپنے حصے معہ منافع کے لیکر کرسچن سٹور کے مقابلہ پر ہال بازار میں اپنی دوکان کھول لی۔ مگر نا تجربہ کاری کا بُرا ہو کہ یہ دوکان بھی نہ چل سکی۔ آخر اُنہوں نے دوکان سے ہاتھ اُٹھایا۔

شادی ہاں یہ بات میں بھول گیا کہ کرسچن سٹور کے ایام میں وارث الدین کی شادی نارووال میں ایک معزز مسیحی خاندان کی صاحبزادی سے ہوگئی۔ یہ خاندان بھی اسی قوم سے تھا۔ اس لئے وارث الدین کے والدین کو اس سے بہت خوشی حاصل ہوئی شادی سے پیشتر وارث الدین نے اپنا گھر بھی امرتسر میں بنا لیا تھا۔ نہایت خوشی اور آسودگی سے

زندگی بسر کرنے لگے۔

ٹھیکیداری چونکہ دوکان نہ چل سکی اس لئے اُنہوں نے ٹھیکیداری کا کام شروع کیا۔ حساب کتاب اُنکا ذاتی علم تھا جو اس قوم کا خاصہ ہے۔ ٹھیکیداری میں محنت تو بہت تھی مگر آمدنی بھی معقول تھی مگر زیادہ کی خواہش سے ٹھیکیداری سے بھی دست برداری اختیار کی۔

کلارک آباد میں زمینداری کلارک آباد میں اُن ایام میں بابو سنت شاہ کا طوطی خوب بولتا تھا۔ اُنہوں نے بابو فیلیوس کتب فروش اور وارث الدین کو اُکسایا کہ کلارک آباد میں آجاؤ۔ زمین ٹیکر کھیتی کرو۔ بہت نفع ہوگا۔ سو بابو صاحب مرحوم اور مرحوم وارث الدین صاحب امرتسر سے ڈیرہ ڈنڈا اکھاڑ کر کلارک آباد میں آبسے۔ کام شروع کردیا۔ مگر

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل — کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

یہاں بھی کچھ نہ بنا بلکہ جو پلے تھا وہ بھی گنوا بیٹھے مگر یاروں نے خوب ہاتھ رنگے۔

مسز وارث الدین کی وفات آہ۔ انہی مصائب کے ایام میں مسز وارث الدین کا انتقال ۱۸۸۷ء بتاریخ ۲۳ جون کلارک آباد میں ہوگیا۔ عین جوانی میں دو معصوم بچوں کو چھوڑ کر عالم بقا کو سدھاریں۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں لودھیانہ میں تھا تو مرحوم میرے ہاں آئے۔ ایک بچہ کندھے پر دوسرا انگلی لگایا ہوا۔ بڑا ترس آیا

مگر شاباش مرحوم کی ہمت پر کہ بچوں کو خوب پالا۔ خوب پرورش کی۔ اُس وقت بڑا لڑکا فخر الدین چھ برس کا تھا اور چھوٹا حمید الدین تین برس کا۔ ایسے چھوٹوں بچوں کی پرورش بغیر والدہ کے آسان کام نہ تھا۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ زیادہ وقت ان بچوں کا نانی کے پاس کٹا۔ اور اُنہوں نے بڑی محنت اور مشقت سے اُنکو پالا۔ اکثر وقت اپنے ماموں کے ہاں بھی رہے مگر جب بورڈنگ میں داخل ہو گئے تب مرحوم کو کسی قدر آرام مِلا ورنہ یہ حال ہوتا تھا کہ اِدھر تو بچوں کی فکر اُدھر روزی کی فکر مگر ہر حال میں خدا مدد گار رہا۔

کلارک آباد کو خیرباد کہا

مسز وارث الدین کی وفات کے بعد اُنکا دل کلارک آباد سے اُچاٹ ہو گیا نارووال اپنے سسرال کے ہاں چلے گئے۔ وہاں مشن کی عمارات کا کام کرتے رہے۔ یُوں کچھ عرصہ گذارا کرنے کے بعد اجنالہ ضلع امرتسر میں تشریف لے گئے۔

مشنری لیڈیز کو پڑھانا

اجنالہ میں مشنری لیڈیز کو زبان سکھانے کا کام اختیار کیا۔ دیر تک یہاں یہ کام کرتے رہے۔ آخر مشن نے انکو منادی کا کام سپرد کیا اور انکو جنڈیالہ ضلع امرتسر میں بھیجدیا۔ یہاں سے گویا انکی زندگی کا نیا دور شروع ہوا۔ جنڈیالہ میں جو کام اُنہوں نے شروع کیا اور کر کے دکھایا اُسکے بیان کے واسطے تو دفتر چاہیئے۔ دیہات میں جگہ جگہ مشن سکول قائم

کئے۔ دَورے کئے۔ انکی خدمت کا پھل بھی اچھا ملتا رہا کئی ایک مسلمان جوان مسیحی ہوئے جن میں سے ایک تو ہندوستان چلا گیا اور وہاں جاکر اس نے شادی کی یہ ایک بڑا بھاری زمیندار بنگیا ہے اُس وقت جنڈیالہ میں مرحوم پادری صاحبدیال صاحب پاسٹر تھے اور مِس پارسلی صاحبہ مشنری لیڈی تھی اور مرحوم یوحنا ڈاکٹر خدمتگار رکھتے خوب میل سے رہتے تھے۔

نائٹ سکول جنڈیالہ میں میونسپل بورڈ سکول تھا مگر ورنیکولر۔ آپ نے ایک نائٹ سکول جاری کر دیا جس میں انگریزی کی تعلیم شروع کر دی۔ بہت لڑکے آنے لگ گئے جنکو انگریزی تعلیم کے ساتھ انجیل کی تعلیم بھی دیجاتی تھی۔ یوں دن رات انجیل کی خدمت کرتے تھے۔ مَیں نے خود یہ نائٹ سکول اچھی حالت میں دیکھا۔ ایک دن ایک عجیب لطیفہ اُنہوں نے مجھے سُنایا۔ فرمانے لگے ایک معزز مسیحی میرے ہاں مہمان تھا۔ اُنہوں نے نائٹ سکول کو دیکھا۔ لڑکوں کا دینی امتحان لیا۔ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے کہ انکو کچھ مٹھائی دینی چاہئے۔ مَیں نے کہا کیا ضرورت ہے فرمایا کہ میں دیتا ہوں آپکو کیا۔ مَیں نے کہا کہ مرضی آپکی۔ کہنے لگے کہ اس وقت آپکے پاس دو روپیہ ہونگے۔ میں نے سمجھا کہ گھر پر چلکر دیدینگے میں نے دو روپیہ دیدئے۔ جھٹ مٹھائی سنگوا لڑکوں کو بانٹ دی۔ "حلوائی کی دوکان پر ناناجی کا فاتحہ" بول دیا۔ صبح کو چلتے بنے۔ روپیہ میرے خرچ ہوگئے اور وہ "مفت کرم داشتن" کے مصداق نیکنامی لیکر چلے گئے۔ روٹیاں بھی کھالیں اور روپے بھی لے لئے۔ کیا زمانہ تھا۔

دوکان بیوپار کی جو چاٹ پڑ گئی تو جنڈیالہ میں نائٹ سکول کے

ساتھ سٹیشنری کی دوکان کھول دی۔ جس میں کتابیں اور دیگر سکولوں کا سامان فروخت ہوتا تھا۔ دیہاتی سکولوں میں سب سامان یہاں سے جاتا تھا۔ بورڈ سکول کے لڑکے بھی خرید لیتے تھے۔ غرضکہ دوکان خوب چلی یہ کام اُنہوں نے کبھی نہ چھوڑا۔ جہاں گئے یہ کام ساتھ رکھتے تھے۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ نیت انکی صاف تھی کہ لوگوں کی مدد ہووے اور وہ تکلیف سے بچیں مگر دوسرا خیال بھی لوگ نہیں چھوڑتے تھے کہ سب کام نفع کی خاطر ہوتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اگر نفع نہ لیا جائے تو باقی اخراجات کہاں سے پیدا ہوں۔ بہر صورت انکی نیت پر ہم حرف نہیں رکھ سکتے۔ سینکڑوں انکی اس محنت اور خدمت سے فیض یاب ہوتے تھے۔

سچی بات یہ ہے کہ جنڈیالہ میں آپنے خوب کام کیا۔ بڑی رونق خاص قصبہ میں اور گاؤں میں ایسا کام ہوا کہ انکے بعد جنڈیالہ کو وہ دِن پھر کبھی دیکھنے نصیب نہ ہوئے۔ بہتیرے مناد۔ یا بو اور پادری گئے مگر وارث الدین کی خدمت سے کوئی نسبت نہیں حاسدوں کا بُرا ہو۔ خدا کے کام کے ساتھ شیطان بھی اپنا کام کئے جاتا ہے۔ مس پارسلی صاحبہ اُنکے کام کے سبب اُن پر بڑی مہربان اور مددگار تھیں۔ یہ بات دشمنوں کو نہ بھائی۔ الزام تو اس پر کوئی لگا نہ سکتے تھے۔ مرحوم کی جبلّی عادت تھی کہ کوئی بھید رکھ نہ سکتے تھے۔ ایک بھید کی بات تھی جو اُنہوں نے مُنہ سے نکال دِی۔ وہ بات جس شخص کے خلاف تھی وہ تو جان کا لاگو ہو گیا۔ کوئی جرم تو عائد نہ کر سکے۔ ایک دِن مس صاحبہ اور ڈاکٹر کلارک سے کہدیا کہ کل رات وارث الدین اسٹیشن سے آتا ہوا

شراب کے نشہ میں راہ میں پڑا پایا۔ مشکل سے اُسے اُٹھاکر اسکے گھر پہنچایا نہ مقدمہ نہ تحقیقات۔ اِس الزام کو ان بزرگوں نے مان لیا اور اُسکی تخریب کے درپے ہوگئے۔ حالانکہ اس سے بڑھکر جھوٹ ہو ہی نہ سکتا تھا۔

(نوٹ۔ جس شخص نے الزام لگایا ابتک زندہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم نے وارث الدین پر جھوٹا الزام لگایا تھا بدلہ لینے کی خاطر)۔

پادری بٹمین صاحب کے چیلوں میں سے آج تک بھی کوئی شرابی نہیں ہُوا اور وارث الدین نہ صرف ٹی ٹوٹلر تھا بلکہ کامل پرہیزگار شراب کے نزدیک نہ جاتا تھا۔ اِن دنوں پادری بٹمین صاحب جہنگ بار میں کام کرتے تھے۔ انکو ایک ایسے محنتی کارندے کی ضرورت تھی جو اُنہی کی طرح بے آرام رہ سکے۔ اُنہوں نے وارث الدین کو جھٹ اپنے پاس بلا لیا۔

فسادِ محرم نارووال

وارث الدین اُن کنورٹ مسیحیوں میں سے نہ تھے جو مسیحی ہوکر اپنے پچھلے رشتہ داروں کو چھوڑ دیں یا بھول جاویں وہ ہمیشہ اپنے والدین کی عزت کرتے۔ رشتہ داروں سے ملتے ہر طرح سے اُنکے مددگار رہتے۔ والدین کی خدمت اپنا فرض سمجھتے وہ بھی انکو پیار کرتے۔ ایک وقت ایسا آگیا کہ نہ صرف خاندان میں بلکہ تمام قوم میں انکی عزت مانی گئی اور ساری قوم سے اُنہوں نے خراج تحسین حاصل کیا۔ میں پیچھے کسی جگہ ذکر کرچکا ہوں کہ نارووال کے خوجے شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے۔ متعصب شیعہ۔ تعزیہ داری کو اپنا خاص مذہب،

سمجھتے۔ ہر سال محرم کے موقعہ پر دُور دُور سے خوجے ناروال میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے اپنے خاندان کے متعلق تعزیہ بناتے اور غضب کا ماتم کرتے۔ میں نے بچشم خود بارہا دیکھا کہ بعض ماتم کرتے کرتے بیہوش ہو جاتے۔ اِس تقریب کو یہ اصل اسلام سمجھتے ہیں۔ جن ایام میں وارث الدین جنڈیالہ میں تھے۔ ناروال میں محرم کے موقعہ پر سخت فساد ہو گیا۔ واقعہ یوں ہے کہ عشرہ کے روز جبکہ تعزیہ اُٹھا کر کربلا کو لیجا رہے تھے۔ عام میلا تھا۔ ہر ملت و قوم کے لوگ تماشا دیکھنے کو جمع تھے۔ نادانستگی سے کسی جاٹ نے شراب کے نشہ میں لکڑی سے تعزیہ کو چھوا۔ اسکا چھونا تھا کہ غضب ہی ہو گیا۔ عام شور پڑ گیا کہ پکڑ لو پکڑ لو مار ڈالو۔ وہ جاٹ آگے بڑھ کر بھاگ نکلا اور تھانہ میں جا گھسا۔ اسکے پیچھے خوجے تعزیہ میدان میں چھوڑ کر سیکڑوں بھاگے جا رہے تھے اور جاتے ہی تھانہ کو گھیر لیا۔ تھانے والوں نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر یہ ایسے آپے سے باہر ہوئے کہ اگر پولیس بہ سختی مزاحم نہ ہوتی تو تھانہ کو توڑ تاڑ کر اُس جاٹ کی تکی بوٹی اُڑا دیتے۔ پولیس کے ساتھ بھی بہت سختی سے پیش آئے۔ بدزبانی کی کوئی حد نہ رکھی۔ آخر بہت مشکل سے بہ نرمی کوتوال نے انکو سمجھایا اور ٹھنڈا کیا اور کہا کہ تم اپنا کام ختم کر لو اور پھر تمہارا مجرم تمہارے حوالہ کیا جائیگا جو مناسب ہو گا کر لینا۔ خیر وہ چلے آئے۔ ادھر پولیس نے یہ کارروائی کی کہ فوراً سوار سیالکوٹ کو دوڑا دیئے کہ خوجوں نے بغاوت کی ہے اور تھانے کو گھیرے بیٹھے ہیں فوجی امداد کی ضرورت ہے بس پھر کیا تھا خوجوں کو اس بات کا خیال بھی نہ تھا کہ پولیس

ہمارے ساتھ ایسا سلوک کریگی۔ تیسرے دِن کپتان پولیس۔ پچاس پولیس کے سپاہی ایک سو فوجی تلنگے نارووال میں آگئے اور تمام چھوٹے بڑے خوجے گرفتار کرلئے۔ کئی دن تک خوجے سخت مصیبت میں گرفتار رہے تحقیقات ہوتی رہی۔ آخر قریب ۶۰-۷۰ نفور از قسم خواجگان گرفتار کرکے سیالکوٹ پہنچادئے۔ اور حوالات میں دیدئے گئے۔ کئی روز مقدمہ ہوتا رہا۔ ۲۵-۰۰ خوجوں پر جو بڑے جوشیلے تھے بغاوت کا مقدمہ ثابت ہوا اور جیل میں بھیجے گئے۔ اِن میں وارث کے بھائی اور چچے بھی تھے۔ ابتو جان پر بنی فوراً جنڈیالہ وارث الدین کو تار بھیجا گیا کہ ہماری آکر مدد کرو۔ خرچ کی پرواہ نہ کرو۔ جو خرچ ہوگا ہم دینگے۔ یہ مرد خدا فوراً تیار ہوگیا۔ امرتسر سے مشہور وکیل لالہ کنھیالال کو ساتھ لیا اور سیالکوٹ پہنچے اور اپیل داخل کردی۔ القصہ بڑی مردانگی سے روپیہ خرچ کرکے سب کو رہا کروالیا۔ جہاں خوجوں کے گھروں میں ماتم تھا عید ہوگئی۔ وارث الدین سب کو ساتھ لیکر نارووال پہنچا۔ قوم کی قوم اس واقعہ سے انکی گرویدہ ہوگئی مگر زبانی جمع خرچ۔ وارث الدین نے اسقدر روپیہ خرچ کیا۔ وکیل کو دیا مگر شاباش اس قوم کے۔ اُنھوں نے بھی سوائے "تھینک یو" کے ایک پیسہ اُسکو نہ دیا مگر اس بندۂ خدا نے اُن سے کبھی نہ مانگا۔ یہ ایک بڑا مشہور معرکہ ہے جو کہ قصہ کی صورت میں پنجابی نظم فساد محرم نارووال کے نام سے واعظ نے تصنیف کرکے چھپوایا تھا۔ اگرچہ اس واقعہ کو برسوں گذر گئے مگر اب تک لوگوں کو بخوبی یاد ہے۔

جھنگ بار میں وارث الدین کا کام۔ بار کا علاقہ ابھی نیا نیا ہی آباد ہوا

تھا سیالکوٹ ۔ گورداسپور۔ امرتسر کے دیہاتی مسیحی جوق جوق بار میں جاکر آباد ہونے لگے ۔ لائلپور تو یو پی مشن نے سنبھال لیا۔ آرپی مشن نے بھی وہاں کام شروع کیا مگر چند روز بعد وہ بند ہو گیا۔ چرچ مشنری سوسائٹی نے تحصیل ٹوبہ ٹیک سنگھ اور تحصیل سمندری میں کام شروع کر دیا اور ہیڈ اسٹیشن گوجرہ مقرر کیا گیا۔ اس علاقہ میں کام کرنا آسان نہ تھا گورنمنٹ نے جو زمین مسیحیوں کے واسطے عنایت کی اُس سے منٹگمری والہ آباد کیا گیا اسکی آبادی میں وارث الدین نے بہت حصہ لیا۔ کچھ زمین ناقص تھی اسکی بجائے سمندری کی تحصیل میں زمین مل گئی۔ اُس گاؤں کا نام مسیحیوں نے عیسیٰ نگری رکھا مگر وارث الدین نے بیٹن آباد رکھا۔ اس سے لوگ وارث الدین کے مخالف ہو گئے۔ اب دونوں نام پکارے جاتے ہیں۔ سرکاری کاغذوں میں تو بیٹن آباد ہے مگر عوام الناس عیسیٰ نگری کہتے ہیں۔ اِن دونوں گاؤں کے آباد کرنے میں بقول مرحوم پادری ٹامس ہاول صاحب جو نکمّے اور نالائق تھے وہاں آباد کئے گئے۔ ہزار کوشش سے بھی یہ گاؤں نہ سدھرے نہ تو پادری بیٹن صاحب کی کوشش کام آئی نہ مرحوم ہاول صاحب کی زندگی نے ان پر اثر کیا یہ لوگ کسی سے خوش نہیں ہوتے۔ بقول پادری ہیرس صاحب اگر فرشتہ بھی یہاں آکر کام کرے تو یہ لوگ خوش نہ ہونگے۔ وارث الدین جیسا محنتی اور خیر خواہ جس نے انکو وہاں آباد کیا اُس سے بھی خوش نہ رہ سکے۔ پادری ہولڈن صاحب کے وقت منٹگمری والہ کے مسیحیوں نے یہ شرارت کی کہ گرجا کا گھنٹہ کہیں چھپا دیا۔ نام لے دیا کہ منشی مخزن اللہ اور وارث الدین نے چُرا لیا ہے۔ آخر ثابت ہوا کہ خود ہی انہوں نے چرا کر ریت میں چھپا دیا اور

بدنام کرنے کو انکا نام لے دیا۔ اسیطرح بمٹن آباد کے لوگوں نے بارہا اُنکے ساتھ شرارت کی مگر واہ واہ! شاباش وارث الدین انکا خیرخواہ ہی رہا کبھی بدلہ لینے کی خواہش نہ کی۔ جو محنت اِس علاقہ میں پادری بمٹن صاحب کے ساتھ ملکر اور اکیلے انہوں نے کی ہے وہ آجتک نہیں بھولی۔ وارث الدین میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ مسیحی قوم کو پیار کرتے تھے اور کام جی سے کرتے تھے۔ اونٹوں کی سواری پہ دورہ کیا کرتے تھے۔ سردی اور گرمی کی پرواہ نہ تھی۔ جسم بھی خدا نے ایسا مضبوط بخشا تھا کہ تھکنے میں نہ آتے بیمار ہونا وہ جانتے ہی نہ تھے جھنگ بار کی خدمت ایک ایسی خدمت تھی کہ جسکی نظیر نہیں ملتی۔ انکے بعد بہتیرے گئے مگر تھک گئے ہار گئے۔ لوہ بیک سنگ کا علاقہ گوجرہ کا علاقہ تحصیل سمندری تمام چپہ چپہ پھر لیا۔ خود کام کیا اور منادوں سے کام لیا۔ چونکہ وہ خود کام کرنے والے تھے منادوں سے بھی کام لینا جانتے تھے۔ کام کرنیوالے منادتو اُنکے ساتھ خوش رہتے تھے مگر سُست اور کام چور اُن سے گھبراتے تھے۔ غرض کہ کئی برس تک اُس علاقہ میں کام کیا۔ مسیحیوں کو سنبھالا۔ حتی المقدور سب کو خوش رکھا۔ ابتک انکی زندگی اخلاقی اور مشنری زندگی رہی۔ مشنریوں کو خوش رکھنا انکی طبیعت کا خاصہ تھا۔ اُنکا قول تھا کہ چونکہ یہ بزرگ ہیں جو کچھ فرمادیں آمنا کرنا چاہئے۔

سیالکوٹ کنونشن اور وارث الدین کی کایا پلٹ

وارث الدین کی عادت تھی کہ ہر سال سیالکوٹ کنونشن پر جانا اور اپنے ساتھ بہت سے مسیحیوں کو بھی لیجاتے تھے۔ وہاں اکثر میزوں کی خدمت اُنکے سپرد ہوا کرتی تھی جس خدمت کو وہ احسن طریق پر انجام دیا کرتے تھے۔ ایک موقعہ پر میں بھی کنونشن میں حاضر تھا۔ سکول ہال میں عبادت

ہو رہی تھی۔ جلال کے خداوند کے حضور حمد و ثنا کی قربانیاں گذرانی جا رہی تھیں کہ دفعتاً وارث الدین نے رونا شروع کر دیا۔ تمام بدن کانپ رہا تھا۔ رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ میں پاس ہی تھا۔ سنبھالا مگر وہ نہ سنبھلے برابر زاری ہو رہی تھی۔ دریافت کیا کہ کیا ہے۔ جواب دیا کہ جلال کا خداوند۔ فرشتوں کی فوجیں آ رہی ہیں ہائے افسوس مجھ پر میں کیا کروں۔ تمام حاضرین کی توجہ اس طرف ہو گئی۔ کہا گیا کہ انکو دعا کے کمرے میں لیجاؤ چنانچہ میں نے اور دو ایک اور اشخاص نے پکڑا۔ اور دعا کے کمرے کی طرف لے گئے افسوس کہ کنونشن والوں نے جلدی کی کہ ساری رویت انکو دیکھنے نہ دی۔ دعا کے کمرے میں مردِ دعا پادری پیٹرسن صاحب کے سپرد کیا اور ہم سب بیٹھ گئے انکو تسلی دی دعائیں کی گئیں۔ اُن سے دریافت کیا گیا کہ کیا واقعہ گذرا۔ انہوں نے بتایا کہ میں بیان نہیں کر سکتا دفعتاً بیٹھے بیٹھے مجھ پر ایسا بوجھ معلوم ہونے لگا کہ میں برداشت نہ کر سکا۔ اوپر جو نظر اٹھائی تو جلال کے خداوند کو دیکھا۔ اور فرشتوں کی فوجیں۔ میں اس جلال کی برداشت نہیں کر سکا اور نہ اُس نظارے کی تاب مجھ میں باقی رہی سوائے اپنی نالائقی کے مجھے کچھ نہیں سوجھا۔ دل دھڑکنے لگا۔ سوائے رونے کے اور مجھے کچھ نہیں سوجھتا۔ سب نے اسقدر معلوم کیا کہ خداوند کنونشن میں موجود ہے۔ اسی وقت سے وارث میں عجیب تبدیلی معلوم ہوئی۔ اگرچہ میں اس تبدیلی کا بیان نہیں کر سکتا مگر اُنکی آئندہ زندگی سے صاف معلوم ہو گیا کہ وارث الدین ایک نیا انسان بن گیا۔ اب وہ مسیحی وارث الدین تھا۔ نوجہ وارث علی نہ تھا۔ ان کی زندگی کی تبدیلی کا سب سے پہلا ثبوت

یہ ملا کر کنونشن سے جب وہ واپس گوجرہ میں آئے تو ذکی کی طرح اُنھوں نے سب کے ساتھ فیصلہ شروع کر دیا۔ جس کسی کا دینا لینا انکو یاد تھا۔ یا انکی کاپیوں میں تھا سب کو ادا کرنا شروع کر دیا۔ نہ معلوم کب کے غالباً جب وہ امرت سر میں دوکان کرتے تھے۔ کسی سوداگر کے کچھ روپیہ اُنکے ذمے تھے جو سوداگر کو بھی یاد نہ تھے وہ روپیہ انکو بھیجدئے۔ سوداگر نے جواب دیا کہ پُرانی بات ہے مجھے یاد نہیں۔ میں نہیں لونگا۔ مگر اُنھوں نے نہیں مانا۔ مجبوراً سوداگر کو لینے پڑے۔ اسی طرح پادری مکنزی صاحب کے کچھ روپے تھے وہ بھی واپس کئے۔ اُنھوں نے اس معاملہ میں ذرا شرم نہ کی بلکہ اس سے اپنی سچی سچی زندگی کا ثبوت ذکی کی طرح دیا۔ جس نے کھڑے ہوکر بھری مجلس میں عرض کی کہ اے خداوند میں اپنا آدھا مال غریبوں کو دیتا ہوں۔ اور جسکا دغابازی سے لیا ہے اُس کا چوگنا دیتا ہوں۔ مسیحی زندگی کا یہ خاصہ ہے انسان انسان اور خدا کے ساتھ پوری صفائی کرے۔ وارث نے اسکا خوب ثبوت دیا اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کی کہ اس طرح میں خائن ثابت ہونگا۔ اور مشن سے نکالا جاؤنگا۔ بعضوں نے انکو منع بھی کیا کہ ایسا کام نہ کرو۔ مگر اس نئی زندگی میں وہ کب ماننے والے تھے جو حق تھا وہ کرکے دکھا دیا۔

انہی دنوں میں ایک مسیحی نے انکو لکھا کہ آپ کو جو خدا نے برکت بخشی ہے اُسکو گنوا نہ دیں۔ بلکہ بڑھاویں۔ آپ کچھ روز اپنے کام سے الگ ہو جاویں اور جنگل میں دھیان کرنے جا بیٹھیں۔ روزے رکھیں۔ یہ خط پہلے تو انکو بُرا معلوم ہوا۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے سوچا کہ کون ہووے جو مجھے صلاح دے۔ لیکن مجھے فوراً یہ خیال شیطانی معلوم

ہوا۔ اور مَیں نے اسپر عمل کیا اور بڑی برکت حاصل کی۔ خاصکر بیماریوں کو شفا دینے کی طاقت۔ چنانچہ ڈاکٹر دتا صاحب مضمون یادرفتگاں میں تحریر فرماتے ہیں کہ انکو آواز آئی وارث ہم نے تجھے شفابخشی کی طاقت عطا فرمائی۔ چنانچہ اُسی وقت سے انہوں نے بیماریوں پر شفا کا کام شروع کر دیا اور کئی برس تک کرتے رہے۔ اور ہر سال ولایتی ڈیوائن ہیلنگ والوں کی طرح کتابیں چھپوا کر تقسیم کرتے رہے۔ اگرچہ یہ طریقہ بہتوں کو ناپسند تھا اور میں بھی ناپسند کرتا تھا۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں۔ طاقت خدا نے انکو ضرور بخشی اور بڑے دعویٰ سے انہوں نے اس کام کو کیا۔ جگہ جگہ سے بلاہٹ آتی تھی۔ تاریں آتی تھیں جایا کرتے تھے۔ مگر اصول یہی رکھا ہوا تھا کہ مفت پایا مفت دو۔ سوائے کرایے کے کسی سے کچھ نہ لیتے تھے میں کہتا ہوں اگر ایسا ہندو مسلمان میں ہوتا تو آج ایک بڑا مہاتما اور ولی اللہ سمجھا جاتا۔ مگر مسیحیوں کے واسطے ایک معمولی بات تھی۔ میرے چشم دید کئی واقعات ہیں کہ جنکو انکی دعا سے شفا ملی۔ مگر میں ایک دوسرے شخص کی شہادت پیش کرتا ہوں بقولیکہ

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

پادری سالک صاحب بھیرہ سے اپنے ماتم پرسی کے خط میں تحریر فرماتے ہیں یہاں تک کہ غیر مذہب کے لوگ بھی ان سے برکتیں پاتے رہے ہیں۔ وہ ایک دفعہ یہاں تشریف لائے۔ اور میرے گھر پر ٹھہرے۔ ایک مسلمان آدمی نے بہ سبب پہلی عورت سے اولاد نہ ہونے کے دوسری شادی کی۔ برسوں گذر گئے مگر اس دوسری عورت سے بھی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ جب پادری صاحب یہاں آئے تو وہ عورت مسز سالک کے ذریعہ انکے سامنے آئی۔ آپ نے اُسکے

واسطے اولاد کے لئے دعا کی ۔ دعا سے ایک سال بعد خدا نے اس عورت کو فرزند نرینہ عطا فرمایا ۔ جو اب تک زندہ اور ہونہار فرزند ہے ۔ اس سے بڑھکر اور شہادت کیا چاہیئے انکے ڈیوائن ہیلنگ کے رسالے شاہد ہیں ۔ بعض دفعہ انکی دعا پر مجھے اعتراض ہوتا تھا ۔ ایک دفعہ ایک ہندو ساہوکار ایک مسلمان کبھی کو ساتھ لیکر جو اسکی آشنا تھی اور جسکو خراب بیماری تھی انکے پاس آیا ۔ میں بھی بیٹھا تھا ۔ آپ نے دعا کی اور رخصت کیا ۔ اُنکے چلے جانے کے بعد میں نے کہا کہ ایسی دعا بیفائدہ ہے پہلے اُن سے کہنا چاہیئے تھا کہ اپنی بُری زندگی سے توبہ کریں تب شفا ملیگی ۔ بدکاری کے واسطے خدا شفا نہیں دیتا ۔ آپ نے اسکو قبول کیا ۔ واقعی ایسا ہی چاہیئے تھا کہنے لگے کہ میں چاہتا تھا کہ وہ جلدی میرے پاس سے رخصت ہو جاویں ۔ میں ان سے باتوں میں لگنا نہیں چاہتا تھا ۔ انکی مسیحی زندگی کے کارناموں میں یہ خدمت مسیحی کلیسیا کے فخر کا باعث رہی ہے اگرچہ یہ قوت اور نعمت آخر کو اُن سے جاتی رہی ۔ اسکا سبب میں دوسرے موقعہ پر بیان کرونگا

جہاں وارث الدین ایک ایک پیسہ کی احتیاط کرتے اور کفایت شعاری سے گذران کیا کرتے تھے روحانی تبدیلی کے بعد عجیب حال ہوگیا کہ لینے دینے کے معاملہ میں ذرا ذرا بات کی فکر کیجاتی ۔ انکی بعض باتیں دیکھکر ہنسا کرتے تھے مگر وہ بالکل بے پرواہ تھے کسی کی ہنسی کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے مثلاً اگر لوگ ریل میں سفر کرتے وقت انٹر کلاس میں جگہ نہیں ملی تو سیکنڈ میں بیٹھ گئے ۔ مگر ٹکٹ انٹر کا ہے اب ان دونوں درجوں کے کرایہ میں جو فرق رہا وہ قیمت یا تو بذریعہ ڈاک ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کو بھیجدیتے ۔ اگر تھوڑے پیسے ہوتے تو اُنکے پلیٹ فارم کے ٹکٹ خرید کر پھاڑ دیتے تھے ۔ ظاہرا تو بات ہنسی کی معلوم ہوتی ہے ۔ مگر

وہ کہا کرتے تھے کہ ایمانداری یہی ہے کہ حق بحقدار رسید۔ ایکدفعہ نہیں۔ دو دفعہ نہیں بارہا ایسا کرتے دیکھا

دوبارہ ولایت جانا انہی ایام میں جبکہ وہ جھنگ بار کے علاقہ گوجرہ میں کام کرتے تھے کہا۔ ان کے دھرم بھائی ڈاکٹر دتا پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ انکی عزیز از جان اہلیہ (ڈاکٹر چٹرجی صاحب کی صاحبزادی) نے انتقال کیا جسکا صدمہ ڈاکٹر دتا پر سخت گذرا۔ دل بس میں نہ رہا۔ دن رات آہ وزاری اور اختر شماری سے کام بعض احباب کی صلاح سے اُنھوں نے انگلینڈ جانیکا ارادہ کیا کہ کسی طرح نقل مکانی سے طبیعت کی بحالی ہو جائے۔ چونکہ ایسی حالت میں اُنکا اکیلے جانا باعث تشویش تھا وارث الدین کو ساتھ لیجانا چاہا کہ راہ میں اُنکے مددگار رہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب اپنے مضمون یادرفتگان میں تحریر فرماتے ہیں کہ پادری صاحب مرحوم نے دوسرا سیر یورپ کا کیا تھا۔ پہلی دفعہ تو پادری بٹمن صاحب کے ساتھ بچپن میں۔ دوسری دفعہ میری حفاظت کے لئے ساتھ گئے۔ میری اُنھوں نے بہت خاطر کی۔ بھائی کی طرح میرے ساتھ رہے۔ یہ واقعہ ۱۹۰۸ء کا ہے۔ وارث الدین کو مشن نے اجازت دیدی اور وہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ولایت کو چلے گئے۔ ڈیوائن ہیلنگ کا کام برابر کرتے رہے کرتے رہے۔ ایک کالے آدمی کا گوروں کے ملک میں جاکر شفا بخشنے کی طاقت کا اظہار کرنا حیرت انگیز نہیں تو تعجب انگیز تو ضرور ہے جہاں کے بعض لوگوں کا خیال یہانتک ہے کہ روح القدس صرف گورے لوگوں کا حق ہے وہاں جاکر وارث الدین نے بڑے دعویٰ سے کام کیا۔ اور کامیابی بھی خوب حاصل کی۔ ولایت میں وہ جگہ جگہ پھرتے رہے اور ہر جگہ بیماروں کے اچھا کرنیکا کام بھی کرتے رہے۔ اور جگہ جگہ کلیسیاؤں میں جاکر کام بھی کیا۔ لیکن اس

کام سے اُنکی طبیعت خوش نہ ہوئی کیونکہ لوگوں نے اُنکی میٹنگنوں کی چنداں پرواہ نہ کی - وہ کہتے تھے کہ تے مین کو وہ کچھ نہیں سمجھے - آرڈین اگر ٹنی کا بت بھی ہووے تو اُسکی خاطر کرینگے اور اُسکی سینگے - مگر ابتو وہ حالت نہیں رہی ولایت کے لوگوں میں بہاری تبدیلی آگئی - کیونکہ سوامی سندر سنگہ کی سننے کو ہزار ہا لوگ جمع ہوتے تھے - یہانتک کہ لوگوں کو جگہ نہ ملتی تھی - اور صرف عوام الناس ہی نہیں جاتے تھے - بلکہ بڑے بڑے لوگ پادری بشپ - یہانتک کہ بشپ آف کنٹربری بھی ایک میٹنگ میں تشریف لیگئے - انکا کلام یہانتک موثر ہوا کہ کہا جاتا تھا کہ اب مشرق سے نور چمکیگا اور تاریک یورپ کو منور کریگا - سوامی جی سے کہا گیا کہ ایسے ہی اور سندر سنگہ ہندوستان سے یہاں لاؤ - اسی طرح امریکہ نے بھی اُنکو قبول کیا -

انگلستان کے سفر کے حالات اُنہی ایام میں ہفتہ وار نور افشان میں چھپتے رہے ہیں - یہاں اُنکے اعادہ کی ضرورت نہیں - ایک دو باتیں قابل تذکرہ ہیں - ایک خط میں اُنہوں نے لکھا کہ میں پادری شرف صاحب کے ہاں گیا اور چار روز رہا - وہ وہاں پاسٹر تھے - ہم پنجاب میں اس بات کا رونا روتے رہے ہیں کہ لوگ گرجا میں کم آتے ہیں مگر یہاں سرے سے آتے ہی نہیں - روز صبح کو عبادت ہوتی - مگر گرجا میں سوائے پادری شرف صاحب اور چرچ بیرر اور میرے چوتھا کوئی نہ آتا تھا - مگر شاباش عبادت کے دستور میں مجال ہے کہ فرق آوے - شرف صاحب ساری لیٹنی اور صبح کی عبادت ختم کرکے گرجا سے نکلتے -

اگر مَیں نہ ہوتا۔ چونکہ وہاں روزانہ عبادت کا دستور ہے تو شرف صاحب اور چرچ بیرر ہوتے۔ اس سے تو ہم اچھے ہیں روزانہ عبادت میں کوئی ایسا دن نہیں ہوتا کہ ۱۰-۲۰ حاضر نہ ہوں۔

چونکہ وہاں شفا بخشی کا کام برابر کرتے رہے۔ ایک عجیب بات اُنھوں نے ایک دفعہ خط میں لکھی کہ پادری ٹیمن صاحب کے قبضہ میں جہاں میں اُنکے ساتھ رہا کیا۔ وہاں ایک بیمار تھا جو روماٹیزم کے سبب چل نہ سکتا تھا۔ اگر چلتا بھی تو لکڑی کے سہارے پر مَیں اُسکے گھر میں جاکر کئی دن دعا کرتا رہا۔ خدا کی قدرت وہ تو بغیر لکڑی کے چلنے پھرنے لگ گیا۔ یہ دیکھکر خود پادری ٹیمن صاحب کی حیرانی کی حد نہ رہی۔

انگلستان سے واپسی پر ارض مقدس کی سیر کو چلے گئے کہ یروشلم کا حج ہو جاوے وہاں پہونچکر تمام مقدس جگہوں کی اُنھوں نے سیر کی۔ اُنھوں نے بیان کیا کہ تمام یہودی مقدس مقامات مسلمانوں کے قبضے میں ہیں۔ حضرت داؤد۔ سلیمان۔ دیگر انبیاء کے مقبرے کفلہ کا غار۔ وہاں تو کسی غیر مسلم کو جانے نہیں دیتے۔ لیکن مسیحی مقدس جگہیں رومی۔ یونانی اور روسی مسیحیوں کے قبضے میں ہیں۔ اُنھوں نے عموماً تمام مسیحی مقدس جگہوں کی زیارت کی گتسمنی باغ سے وہ کانٹوں دار جھاڑی کے بیج لائے تھے۔ جنسے ہمارے مبارک بادشاہ خداوند یسوع کے واسطے دشمنوں نے تاج بنایا تھا۔ کئی ایک چیزیں بطور یادگاری وہاں سے لائے تھے۔ اب مجھے یاد نہیں مگر میں نے انکو لکھا تھا کہ خاک شفا لیتے آنا شاید ناظرین اس

بات کو میری کمزوری سمجھیں یا ایشیائی ایمان سمجھیں مگر میں ایسا ہی رکھتا ہوں کہ خداوند یسوع کے قدموں کی خاک میں شفا ہے۔ وہ کچھ بیت عینا کے اُس مقام سے لائے جہاں خداوند نے کھڑے ہو کر لعذار کو قبر سے بلایا تھا۔ یادگاری کے طور پر ذرا سی پڑیا میں لے آئے تھے اور مجھے دی تھی۔ میں نے اس خاک کو کئی دفعہ شفا کے واسطے استعمال کیا اور کامیابی حاصل ہوئی۔ ایک عجیب واقعہ کا بیان کرتا ہوں۔ ملتان کے ہسپتال میں ایک مسیحی بہن ۳ مہینہ سے آنکھوں کی بیماری سے پڑی تھی آرام نہیں ہوتا تھا۔ اُسکے خاوند نے مجھ سے بیان کیا کہ کسطرح اُسکی بیوی آنکھوں کے سبب تکلیف میں ہے۔ مَیں نے اُسے کہا کہ میں گھر جاکر دوائی بھیجونگا۔ خدا چاہے تو آرام ہو جائیگا میں نے وہی بیت عینا کی خاک ذرا سی لیکر اُسمیں ذرا سرمہ ملاکر بذریعہ ڈاک اُسکے پاس بھیجدیا۔ اور لکھدیا کہ یہ سرمہ آنکھ میں لگاؤ۔ میرے خداوند کا نام مبارک ہو۔ تیسرے دن اُسکی آنکھوں کو بالکل آرام ہوگیا۔ جو تین مہینہ سے ڈاکٹروں کے زیر علاج سمجھو یا تختۂ مشق سمجھو آرام نہ ہوتا تھا صحت یاب ہوگئی۔ یُوں داغط کے اس شعر کی تصدیق ہوگئی

لگاؤں آنکھوں میں اپنی رہوں سدا بنیا + ملے جو خاک مجھے پاؤں کی کبھی تیری

نئی روشنی کے ایمان والے جنکا ایمان سائنس ہے اسمات کو مخول میں اُڑا دینگے اصل میں وہ اپنے ہی ایمان کا مخول اڑاتے ہیں۔ وہ ایمان کی اُس قوت سے واقف نہیں کہ ایماندار کے واسطے سب کچھ ہو سکتا ہے۔

مرحوم کنعان میں ڈیوائن ہیلنگ کا کام کرتے رہے۔ افسوس یہ ہے کہ انکو تمام مقدس جگہوں کی زیارت نصیب نہ ہوئی۔ کیونکہ مسلمان کسی عیسائی کو گھسنے نہیں دیتے۔ مجھے کنعان کو گئے ہیں تو چونکہ اُنکا لباس مشرقی تھا انہوں نے سلیمان اور داؤد کے مقبروں کی اچھی طرح زیارت کی۔ اُنکو کسی نے روکا نہیں لباس سے سمجھا کہ مسلمان ہے۔ مگر وارث الدین تو کوٹ پتلون نئے تھے اندر کہاں جانے دیتے۔ اس انگریزی لباس کی بدولت زیارت سے محروم رہے۔ مگر بیت اللحم۔ کفرناحم۔ یروشلم کی اچھی طرح سیر کی۔ انکے اس سفر کی نسبت اتنا ہی کافی ہے۔

کلارک آباد میں تبدیل ہونا

ولایت سے واپس آکر وہ سیدھے جھنگ بار کو چلے گئے کہ گوجرہ کے علاقہ میں اپنا کام کریں۔ مگر آنے سے پیشتر ہی پادری گرے صاحب فیصلہ کر چکے تھے کہ وارث الدین کلارک آباد میں جاوے۔ اس سے مرحوم کو بہت رنج ہوا۔ کیونکہ اُنہوں نے بار میں بڑی محنت سے کام کیا تھا۔ اور اپنے کام کا پھل دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر تبدیلی کا سبب نہ معلوم کیا ہوا۔ لاچار انکو کلارک آباد میں آنا پڑا۔ یہاں اس وقت پادری گف صاحب مشنری تھے۔ وارث الدین زیادہ وقت دیہات میں گذارتے۔ چونیاں کی تحصیل میں کام کرتے اور کلارک آباد میں اکثر پادری گف صاحب کی پاسٹر کے کام میں مدد کرتے۔ مگر زیادہ وقت

دورے ہی میں رہتے اور دورہ اونٹوں پر کرتے۔ اُنہی ایام میں تحصیل چونیاں کے واسطے پادری گفٹ صاحب نے رحمت مسیح واعظ کو ملتان سے بلوایا۔ چونکہ سردست چونیاں میں رہنے کو مکان نہ ملا تو وہ بھی کلارک آباد میں آگئے۔ ایک ہی مہینہ کے اندر پادری گفٹ صاحب نے فرمایا کہ چونکہ دورے کے واسطے مسٹر وارث الدین خوب مضبوط اور ہمت والے ہیں اسلئے بہتر ہوگا کہ وہ دورہ کا کام کریں۔ اور واعظ کلارک آباد میں رہے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق مرحوم نے اپنا اسٹیشن چونیاں کی تحصیل میں پتوکے کیا۔ وہاں مکان وغیرہ بنانے کی تجویز کی۔ اُسوقت انکو ولایت سے واپس آکر پادری بننے کی دھن لگ گئی۔ اُسکے متعلق میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھتا واعظ کے مضمون سے جو اُنہوں نے اُنکی موت پر قاصد میں شائع کیا ہے اقتباس کرتا ہوں۔

وہاں (ولایت) سے واپس آکر اُنکو پادری بننے کی دھن لگ گئی۔ کہتے تھے کہ ولایت کے لوگ کسی لائق اور دیندار کی کچھ قدر نہیں کرتے جبتک کہ وہ آرڈین نہ ہو لے میں کہ سنتے ہی نہیں اسلئے خدمت کو موثر کرنیکے لئے آرڈین ہونا ضروری ہے (واعظ صاحب فرماتے ہیں) میں نے انکو منع کیا کہ آرڈین مت ہو ورنہ شفا بخشنے کی طاقت جاتی رہیگی مگر انہوں نے نہ مانا۔ آخر آرڈین ہو گئے کلیسا میں عزت حاصل کرلی مگر اسی وقت سے شفا بخشی کی طاقت جاتی رہی۔ اور یہ تو جانی ہی تھی انہوں نے پادریت کو شفا بخشی کی طاقت سے اعلیٰ سمجھا۔

پتوکے

مسیحی خدمت کے واسطے پتوکے ایک نیا علاقہ شروع کیا۔

ورپادری وارث الدین اس علاقہ کے مشنری مقرر ہوے۔یہاں انہوں نے وہ جان توڑ خدمت کی کہ مرحبا صل علیہ۔نہ دن دیکھا نہ رات۔سردی گرمی برابر دورہ۔جگہ جگہ کلیسیائیں قائم کردیں۔مناد مقرر کئے۔مدرسے قائم کئے پتّو کے میں احاطہ سرکار سے لیا۔مکان بنایا۔کنواں لگوایا۔کئی جگہ قبرستان بنائے۔خاص پتوکے کا قبرستان قابل دید بنادیا نہایت خوبصورت۔بشپ صاحب نے اسکی تقدیس کی۔اُنہوں نے کام کرکے دکھادیا کہ دیسی کیا کچھ کرسکتے ہیں۔ایک موقعہ پہ پتّو کے میں میلا کیا۔دیہات سے چندہ جمع کیا قریباً چارسو روپیہ جمع کیا۔خوب سشان کی کنونشن ہوئی۔تمام حاضرین کو دو دن تک کھانا وغیرہ کھلایا۔غرض جو کام کیا خوب کیا۔کرکے دکھایا۔ڈاکٹر دتا صاحب اپنے مضمون یادرفتگان میں تحریر فرماتے ہیں جو منادی کا کام انہوں نے پتّو کی تحصیل قصور ضلع لاہور کیا ہے اُسکی شہادت ہمارے بزرگ بشپ صاحب نے پتّو کی مشن کی رائے بک میں خوب دی ہے۔سی۔ایم۔ایس کے تمام مشنری اُنکی خدمات کے معترف ہیں۔مشن نے انکو اکثر مشکل سے مشکل کام میں لگایا جسے انہوں نے پورا کرکے دکھایا۔ان میں انتظام حساب کتاب کی خدا دادا لیاقت تھی۔مشن کے قریباً ہر ایک صیغہ میں اُنکا دخل تھا ایک عجیب خوبی انمیں تھی کہ جس بات کو وہ اپنے خیال میں درست سمجھتے خواہ ہزار کوئی منع کرے وہ نہیں مانتے تھے کر گذرتے تھے۔اسطرح وہ مشکل سے مشکل کام میں کامیاب ہوجاتے

تھے۔ پتّوکے کے واسطے اُنکے دل میں بڑے ارادے تھے۔ مسیحی مسافرخانہ۔ گرجا اور اچھا مکان بنانا۔ مگر افسوس کہ اُنکی جی کی جی ہی میں رہی۔

عجیب پیشنگوئی کا پورا ہونا

مدت ہوئی کہ پادری ٹامس ہاول صاحب نے پیشنگوئی کی تھی کہ اگر کسی وقت مسیحی فوج قائم ہوئی تو وارث الدین مسیحی فوج کا چپلین ہوگا" چالیس برس سے بزرگان اس کوشش میں رہے کہ مسیحی فوج قائم ہو۔ مگر کامیابی نہ ہوئی۔ جب وقت یہ پیشینگوئی کیگئی نہ تو اُس وقت فوج کسی کے خواب خیال میں تھی۔ اور نہ وارث الدین پادری تھا۔ بلکہ صرف مناد تھا مگر خدا نے مرحوم بزرگ کی پیشینگوئی کو عجیب طرح سے پورا کیا۔ آسٹریا کے شہزادہ کا مرنا۔ جرمن کا جنگ کے واسطے تیار ہونا۔ عالمگیر جنگ کا شروع ہونا جس بات کے واسطے بارہا کوشش کی گئی۔ اور گورمنٹ سے ٹکاسا جواب ملتا رہا۔ اب خود بخود ضرورت نے گورمنٹ کو مجبور کیا۔ مسیحیوں کی فوج بھرتی کیجاوے چنانچہ بھرتی شروع ہوگئی۔ اُدھر ترک جرمن سے رل گئے لہذا ضروری ہوا کہ گورمنٹ ہندوستان کے راستہ کی حفاظت کرے۔ اِسلیئے بصرہ کو فوجیں روانہ کی گئیں خصوصاً مسیحی فوج مسوپوٹامیہ کو روانہ ہوئی۔ اب اُنکی مذہبی ضروریات کے واسطے پادریوں کی ضرورت تھی۔ پنجاب کے مسیحی جوانوں کے واسطے پنجابی پادری کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جب پادری وارث الدین صاحب کا نام مشنری سوسائٹی نے میٹروپولیٹین ڈاکٹر بشپ لیفرائے کے حضور پیش کیا تو ان الفاظ سے کہ جو سب سے ہمارا اچھا کارندہ ہے اُسکو ہم سرکار

کی نذر کرتے ہیں۔ پادری صاحب مرحوم نے فوراً اُسکو قبول کرلیا۔ اُن کو کیا عذر تھا وہ تو خدمت کرنے کے واسطے پیدا ہوئے تھے۔ جدہر روانہ کیا چلدیئے۔ اکثر مشن کے کارندوں کی عادت ہے تبدیلی کے وقت عذر کرنا۔ کوئی نہ کوئی مجبت پیش کردینی کہ تبدیلی نہ ہو۔ مرحوم میں یہ عادت تھی کہ جدہر روانہ کیا بلا عذر چلدیئے۔ خیال کرو کہ چند برسوں کے عرصہ میں کس قدر تبدیلیاں ہوئیں۔ نارووال۔ اجنالہ۔ جنڈیالہ۔ جھنگ بار۔ کلارک آباد۔ بٹھو کے مسوپوتامیہ۔

مسوپوتامیہ میں وارث الدین کی خدمت

ابتک جو کچھ میں نے لکھا ہے اپنے ذاتی تجربہ اور معلومات پر لکھا ہے مسوپوتامیہ میں تو میں اُنکے ساتھ نہیں گیا۔ مگر جو کچھ حالات مرحوم کی زبانی یا بذریعہ خطوط معلوم ہوئے یا جنہوں نے خود دیکھا اُنکے بیان کے مطابق مختصر طور پر لکھتا ہوں۔ کیونکہ بیان وہاں کا طویل ہے انکی خدمات ایسی نہیں کہ چند اوراق میں تحریر کیجا دیں۔ اسکے متعلق تھوڑا سا لکھکر ختم کرونگا۔ میں نے کوئی واقعہ بقید سن و تاریخ نہیں لکھا۔ ایک تو سب کے مقررہ اوقات مجھے معلوم نہیں۔ دیگر میری غرض کوئی تاریخ یا بایو گرافی لکھنے کی نہیں۔ صرف اپنے قابل خادم کی محنتوں کا تذکرہ کرنے سے غرض ہے تاکہ دوسرے خادم بھی انکی محنتوں سے محنت کا سبق سیکھیں۔

کچھ عرصہ تجاویز میں گذر گیا۔ آخر کئی ایک خادم الدین مسوپوتامیہ کو بھیجے گئے اس واسطے کہ الگ الگ ہندوستان کے صوبوں کے سپاہی فوج میں تھے۔ اُن

میں سے دو زیادہ مشہور ہوئے۔ ایک تو پادری دھن سنگھ اور دوسرے پادری وارث الدین صاحب مرحوم۔ پادری دھن سنگھ جنوبی ہند کے نہایت دیندار اور خدا پرست خادم الدین ہیں

جب مقرر ہو چکا کہ پادری وارث الدین صاحب جنگ میں جاویں تو آپ بلا عذر چند روز میں تیار ہو کر روانہ ہو گئے۔ چندے بصرہ میں رہے پنجاب کی گرمی کچھ کم نہیں ہوتی۔ خصوصاً جھنگ بار اور تحصیل چوہناں میں۔ جہاں سخت سے سخت گرمی کے موسم میں مرحوم برابر دورہ کرتے رہتے تھے۔ اور گرمی کی شکایت کے سبب کبھی دورہ بند نہیں کیا۔ بصرہ کی گرمی سے مرحوم بھی چلا اٹھا ایسی سخت گرمی کہ پنجابیوں کی برداشت سے باہر۔ جب فوجیں آگے نکل گئیں اور بغداد ہماری سرکار نے لیا۔ تو بصرہ سے بغداد تک مرحوم کا دورہ رہتا تھا۔ مگر دریا کے رستہ جاتے تھے۔ سفر میں بہت دقت صرف ہوتا تھا۔ جب ریل دریا کے کنارہ بن گئی تو دنوں کا سفر گھنٹوں میں ختم ہوا۔ ایک سال کی خدمت کے بعد مرحوم کو بغداد کا علاقہ مل گیا۔ اور سینئر انڈین چپلین مقرر ہو گئے اور بغداد ہیڈ کوارٹر مقرر کیا گیا۔ اُن کی بغداد کی زندگی کی بابت ایک عزیز نے جنکا چشم دید واقعہ ہے یُوں بیان کیا ہے کہ بغداد میں مرحوم کی سادگی۔ حلم مزاجی۔ غریب دلی نے مرحوم کو ہر دلعزیز بنا دیا۔ انکے کام و خدمات کی یہ حالت تھی کہ مہینہ میں ۲۰ دن دورے میں اور بمشکل ۱۰ دن بغداد میں ٹھہرتے تھے۔ نہ تو سردی اور گرمی کی پرواہ تھی نہ بھوک پیاس کی۔ کوئی سواری مل گئی تو خیر ورنہ

سڑک سوار کوئی اتوار بغداد میں آگیا تو کم سے کم چار دفعہ الگ الگ جگہوں میں عبادت کروایا کرتے تھے۔

بغداد کے بازار اور گلیاں بہت تنگ ہیں مگر سرکار نے ایک محلہ کا محلہ گرا کر دریا کے کنارے شہر کے بیچوں بیچ ایک نیا کشادہ بازار بنا دیا جو نیو سٹریٹ کے نام سے مشہور ہے اس جگہ مرحوم کا مکان تھا۔ اوپر رہتے تھے۔ بازار کا نظارہ خوب تھا۔ بصرہ سے افواج کا آنا جانا سب اسی راستہ سے گذرتی تھیں یہ بازار گویا دہلی کا چاندنی چوک بن گیا جس میں دن رات چہل پہل رہتی ہے۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھے لکھا کہ میرے اردگرد تمام مسلمان ہیں میرے ہمسائے میں دن رات لڑائی رہتی ہے میں نے ایک دن اپنے عرب نوکر سے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ اس گھر میں لڑائی رہتی ہے۔ تو اس نے کہا کہ یہاں ایک عرب شیخ رہتا ہے اسکی دو جوروان ہیں انکی آپسمیں ہر وقت لڑائی رہتی ہے۔ کسی اور موقعہ پر ایک خط میں یوں تحریر کیا کہ میں نے عجیب نظارہ دیکھا۔ ایک یونانی مسیحی فوت ہوگیا۔ اسکا جنازہ عجیب شان سے بازار سے گذرا ہے۔ تابوت کے آگے گانے والے جارہے ہیں۔ ہاتھ میں صلیبیں ہیں۔ پیچھے تابوت ہے اسکے پیچھے سب مسیحی ماتم کنان رواں ہیں۔ اور ہر ایک کچھ نہ کچھ بولتا جاتا ہے جس سے انکے غم کا اظہار ہوتا ہے اس نظارہ کا مجھ پہ بڑا اثر ہوا۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ کاش کوئی ایسا طریقہ ہمارے پنجاب میں بھی ہووے کہ جس سے نہ صرف غم کا اظہار ہی ہو بلکہ مرنے والے کی عزت اور محبت کا ثبوت بھی ہو۔

ایک دفعہ انکے خط میں تحریر تھا کہ ترکوں کے ہوائی جہاز بغداد پر آئے اور ایک دو جگہ انھوں نے بم بھی پھینکے لیکن میرا گھر ایسی جگہ پر ہے کہ جہاں بم کا کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ میرے گھر کے قریب عبدالقادر گیلانی کا مقبرہ ہے جسکی عزت ترکوں کے دل میں مدتہ سے کسی طرح کم نہیں۔ سو وہ ایسات کی بڑی احتیاط رکھتے ہیں کہ کسی طرح بھی مقبرہ کی بے حرمتی نہ ہووے۔

ایام جنگ میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی کہ جہاں وہ نہ گئے ہوں۔ جہاں انکو پتہ لگا کہ فلاں جگہ کوئی مسیحی ہے تو وہ وہاں ضرور پہونچے اور اُسکی خبر لی اور اسکی ضرورتوں کو پورا کیا۔ ضرورتوں کو پورا کرنے میں بعض دفعہ اُنکو دقت بھی ہوتی تھی اور اس سے بعض ناعاقبت اندیش ناراض ہو جاتے تھے۔ ایک دفعہ کسی جگہ سے کسی فوجی سپاہی نے اُنکو لکھا کہ بغداد سے میرے واسطے یہ چیزیں خرید کر بھیجدیں۔ اُنھوں نے بھیجدیں۔ بار بار قیمت کا تقاضہ کیا مگر اُس نے قیمت نہ بھیجی۔ آخر اُنکو لکھنا پڑا کہ اگر قیمت نہ بھیجو گے تو تمہارے افسر کو لکھا جائیگا اس پر وہ اسقدر ناراض ہوا کہ سخت چٹھی لکھی اور ساتھ ہی روپیہ بھیجدیا۔ مدد کرنے کے معاملہ میں ایسے مہربان تھے کہ وقت پہ ہر ایک کی ضرورت پوری کر دیتے تھے مگر اکثر اسکا نتیجہ اچھا نہیں نکلتا تھا۔ کیونکہ روپیہ وصول کرتے وقت اُن کو تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ مسوپوتامیہ میں انکو لمبے چوڑے دورے کرنے پڑتے تھے۔ فارس میں کرماں شاہ تک پہنچے مسوپوتامیہ میں موصل تک کربلا اور نجف بھی دیکھا۔

تمام جنگی محکمہ میں اُنکی یہ قدر تھی کہ حالانکہ کسی فوجی آدمی کو چھاتا رکھنے

کا حکم نہ تھا مگر ایک مرحوم تھے جنکے ہاتھ میں ہر وقت چھاتا رہتا تھا۔ خواہ کہیں جاویں۔ کسی جگہ پھریں فیلڈ مارشل کے دربار میں جاویں چھاتا ہاتھ میں اُنکو کسی قسم کی رکاوٹ نہ تھی نہ کسی نے اس پر اعتراض کیا۔ یہ تھی اُنکی عزت جو کسی بڑے افسر کو بھی نصیب نہ تھی۔

واقفیت کا یہ عالم تھا کہ چھوٹے بڑے افسر اُن سے واقف تھے۔ اور اُن پہچانتے تھے۔ ہر ایک انگریز افسر اُنکی محنتوں اور خدمتوں کی وجہ سے انکی عزت کرتا اور تعریف ہر جگہ ہوتی تھی۔ جو عزت اُنہوں نے ملٹری ڈیپارٹمنٹ میں حاصل کی۔ کسی ہندوستانی کو آج تک نصیب نہ ہوئی۔ ان وجوہات سے وہ محسود بھی تھے۔ اکثر رشک کرتے تھے۔ لیکن انکے کام کی تعریف ایسی تھی۔ کہ ایک کپتان سے لیکر فیلڈ مارشل تک انکے مداح تھے۔

وہ اپنا کوئی وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ بیٹھ کر گپیں مارنا۔ یا کھیل کود میں وقت ضایع کرنا یہ انکی ذات سے بعید تھا۔ بغداد کی نیو اسٹریٹ میں انکو اعلیٰ درجہ کا مکان ملا ہوا تھا جہاں ہر طرح کا سامان آرام مہیا تھا۔ میز تھی کرسیاں تھیں مگر جو گھر میں کام کا طریقہ انکا پنجاب میں تھا۔ وہی بغداد میں تھا زمین پر دری بچھا کر پالتی مار کر بیٹھ جانا اور گھنٹوں تحریر کا کام کرتے رہنا۔ بڑے بڑے لایق جوان انکو کام کرتے دیکھکر دنگ رہجاتے تھے۔ ایک بڑی ضیافت کے موقعہ پر ایک فوجی افسر نے میسل ٹاک میں وارث الدین کی نسبت یہ فقرہ بیان کیا۔

کہ یہ بزرگ ہمیشہ حرکت میں رہتا ہے۔ یعنے ہر وقت کام میں لگا رہتا ہے۔
اعلیٰ افسروں تک اُنکے رسوخ کی یہ حالت تھی کہ جہاں کوئی بغیر پاس کے نہیں جا سکتا تھا یہ ہر وقت بغیر روک ٹوک کے وہاں پہنچ جاتے تھے۔ کمانڈر انچیف تک جانا معمولی بات تھی ہر ایک دفتر میں جانا اپنا کام کروا لینا۔ چنانچہ ایک انگریز افسر نے ایک موقعہ پر بیان کیا کہ اگر کوئی کام جرنیل سے یا ہیڈ کوارٹرس سے کروانا ہو تو وارث الدین سے کہو۔ وہ کرا دینگے اُنکے سوا اور کسی کو یہ درجہ حاصل نہیں خدا کی شان اسی وارث الدین نے جو پنجاب میں ایک معمولی آدمی تھا باہر جاکر اپنی خدمات کے ذریعہ کیسی عزت اور کیسا درجہ حاصل کیا۔ سچ ہے "گل چواز گلزار افتاد جانش برسراست۔

جنرل مارشل نے دو دفعہ اپنی سپیچ میں اُنکی تعریف کی جنکا ذکر اکثر انگریزی اخبارات میں شایع ہوا۔ بغداد میں دوسرے دربار کے موقع پر فیلڈ مارشل نے بھرے دربار میں مرحوم کو ایم۔ بی۔ ای کا تمغہ عطا فرمایا اور عمدہ الفاظ میں انکی خدمات کا اعتراف کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے بھائی نے پنجابی مسیحیوں کا نام روشن کر دیا۔ لاج رکھ لی
بغداد کے مسلمان مرحوم کو حاجی کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ سب کے ساتھ اُنکا دوستانہ اور برادرانہ برتاؤ تھا۔ مسیحی ان کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اگرچہ اُن کا آنا جانا سب کے ہاں

نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ میرا کام ملٹری ڈیپارٹمنٹ کے متعلق ہے سیاسیات میں مجھے کام کرنا ہے سولین کے ساتھ واسطہ نہیں۔

وائی۔ایم۔سی۔اے کے نام سے مرحوم کو خاص اُنس تھا اور اس محکمہ کے سکرٹری آپ کو ایک بزرگ خدارسیدہ سمجھتے تھے اور انکی ہر طرح عزت کرتے تھے

سادگی۔ مرحوم کے مزاج میں اعلیٰ درجہ کی سادگی تھی۔ اُنہوں نے اپنی دلیتیت کو کبھی نہیں چھوڑا۔ فیشن سے انکو نفرت تھی۔ جیسا کپڑا مل گیا پہن لیا۔ جو مل گیا کھا لیا نہ پہننے کا شوق نہ کھانے کا اُنس چونکہ الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی لحیم اور جسیم تھے کیسا ہی عمدہ کپڑا پہنیں معمولی لباس معلوم ہوتا تھا۔ اِسکے متعلق وہ بے پرواہ بہت تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب وہ مسوپوٹامیہ میں تھے تو وہاں سے میرے ایک عزیز نے مجھے لکھا کہ اُس عزت کے لحاظ سے جو پادری وارث الدین کو سرکاری دربار میں ہے اُنکا لباس بہت ہی ناپسندیدہ ہے۔ دیکھکر ہمیں شرم آتی ہے آپ ان کو لکھیں کہ اپنے درجہ کا خیال کر کے عمدہ پوشاک پہنیں جو قابل عزت ہو۔سو میں نے اُنکو لکھدیا۔ جسکا جواب اُنہوں نے دیا کہ میں نے لاہور میں اپنے بیٹے کو لکھا ہے کہ عمدہ سوٹ سلوا کر بھیجدیں۔ امید ہے کہ آپ کی شکایت رفع ہوگی۔ کھانے کا یہ حال ہے کہ مرغن و مجرب کی کوئی پرواہ نہیں۔ وقت پر روٹی مل گئی ہے سالن نہیں ہے تو اچار کے ساتھ ہی کھا لی ہے۔ خوب پیٹ بھر

کے کھائی۔ کھانے اور پہننے کی کبھی شکایت نہیں کی۔ نوکر ہمیشہ رکھا۔ خواہ پکانا جانے یا نہ جانے۔ جو اُس نے پکا کر دھر دیا کھا لیا۔ جو خود کھاتے وہی نوکر کو دیتے۔ البتہ مہمان کی خاطر کا فکر کرتے تھے۔ مگر نوکر جو کچھ کرے۔ کرے خود اُس علم سے ناآشنا تھے۔ مجھے یاد ہے کہ دو چار دوست پٹنو کے میں اُنکے ہاں گئے۔ نوکر کو حکم دیا کہ چاء کے وقت حلوا بنا لینا۔ حلوا کیا بنایا ایک ڈِش لپٹی کا بھر کر میز پر رکھدیا۔ سب حیران تھے کہ یہ کیا ہے یوں کھانے پینے میں بے پرواہ تھے۔

ہر ایک سے ملنا۔ سب سے بے تکلفی۔ اگر بھنگیوں کے محلہ میں گئے ہیں تو ویسے ہی وہاں جا بیٹھے ہیں جیسے مشنری کے بنگلہ میں کسی سے نفرت نہیں۔ سب سے ملنا ملانا۔ سب کو بھائی سمجھنا۔ انکا دروازہ ہر ایک مہمان کے لئے کھلا رہتا تھا۔ خواہ مسیحی ہو۔ مسلم ہو یا بھنگی ہو خاطر سب کی یکساں۔ جو آپ کھانا وہی کھلانا۔ تکلّف نہیں جانتے تھے یہ سادگی کا کرشمہ تھا کہ انکی صحت ہمیشہ اچھی رہی۔ شاذ و نادر کبھی بیمار ہوتے۔ باوجودیکہ ۶۳ سال کی عمر تھی مگر جوان معلوم ہوتے تھے بڑے محنتی۔ اس عمر میں میلوں پیدل سفر کرتے۔ سانڈنی سوار بہت اچھے تھے۔

پاکدامنی ۱۸۸۱ء میں ان کی شادی ہوئی اور ۱۸۸۳ء میں ان کی اہلیہ کا عین عالم جوانی میں انتقال ہوگیا۔ اُس وقت سے باقی تمام زندگی تجرد میں بسر کی۔ ہزار کمزوریاں وارث الدین میں مخالف

بیان کریں پاکدامنی کا یہ عالم تھا کہ ؎

تر دامنی پہ شیخ ہمارے نہ جائیو　　دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

دوسری شادی کا نام نہیں لیا۔ کبھی نظر میلی نہیں ہوئی ایکدفعہ انکے ایک عزیز نے اُن سے کہا بھی کہ آپ شادی کرلیں۔ ہم بندوبست کر دیتے ہیں۔ جواب دیا گیا کہ اگر آپ مجھے پیار کرتے ہیں تو پھر اسبات کا کبھی نام نہ لینا۔ کہنے لگے کہ دوسری شادی پہلی بیوی سے سخت بیوفائی ہے۔ میں بیوفا نہیں بننا چاہتا مرنے سے پیشتر ان سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں چاہتے ہیں کہ آپ بعد مرنیکے آرام کریں تو جواب دیا کہ میری بیوی کے پاس میری قبر ہو۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق انکا جنازہ لاہور سے کلارک آباد میں لایا گیا۔ اور مسز وارث الدین کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

اولاد آپکو خدا نے دو فرزند، نرینہ بخشے فخر الدین اور حمید الدین۔ دونوں صاحب اولاد ہیں۔ بڑا صاحبزادہ فخر الدین جو بادری طالب الدین مرحوم کی بڑی صاحبزادی سے بیاہا گیا۔ نہایت آسودگی کی حالت میں ہے۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کا جنرل منیجر ہے افسوس ہے کہ مرحوم کے انتقال کے وقت وہ انگلینڈ میں تھا۔ باپ کا آخری دیدار حاصل نہ کرسکا۔ باپ کے ساتھ بہت محبت تھی۔ نہایت نیک اور شریف جوان ہے۔ مہمان نواز ملنسار۔ اسوقت وہ۔ ایف ڈی وارث کے نام سے مشہور ہیں۔

تلاوت کلام الٰہی کا میں نے کلام کی تلاوت کرنے والا ایسا کوئی نہیں دیکھا سردی ہو گرمی ہو گھر میں ہوں سفر میں بلا ناغہ ہر صبح اُٹھکر کم سے کم ایک گھنٹہ کلام کی تلاوت اور دعا میں خرچ کرنا انکا معمول تھا۔ اگر کسی طرح صبح کا وقت مل جائے تو دن کو کوئی نہ کوئی وقت نکال لیا جاتا۔ کہ جس میں وہ اپنا ورد تمام کرتے۔

رشتہ دار رشتہ داروں سے پورا تعلق رکھتے تھے۔ خواہ مسلمان تھے یا مسیحی۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک تھا۔ جب مسوپوتامیہ کو جانے لگے تو سب سے ملکر گئے۔ جب چھٹی پر واپس آئے حالانکہ ایک مہینہ کی رخصت تھی سب عزیزوں کے ہاں پہونچے۔ نارووال راہداس۔ لاہور۔ ٹوبہ ٹیک سنگ منٹگمری والہ۔ ملتان۔ غرضکہ کوئی جگہ نہیں چھوڑی سب جگہ مسوپوتامیہ کا حال جاکر سناتے رہے۔ امرت سر۔ بٹالہ بھی پہنچے اب انکا ارادہ تھا کہ تین مہینہ کی رخصت لیکر آویں تاکہ اچھی طرح سب سے مل سکیں۔ مگر خدا کو منظور نہ تھا۔ ایسے آئے کہ یہیں رہے۔ خدا کا شکر ہو کہ اپنے عزیزوں کے ہاتھ میں انکا انتقال ہوا جہاں اچھی طرح خدمت ہو سکی۔ علاج ہو سکا۔ کسی کے دل میں ارمان نہ رہا۔ اگر مسوپوتامیہ میں انتقال ہوتا تو سب کو رنج تھا کہ خدمت نہ کر سکے۔ نہ معلوم کس حالت میں انتقال ہوتا۔ یہ بھی خدا کی بڑی رحمت تھی کہ خدا نے انکی خواہش پوری کی کہ مسٹر وارث الدین کے پہلو میں آرامگاہ ملی۔

مسوپوتامیہ کی جان توڑ محنتوں نے انکو فناہ فی الخدمت کر دیا خدا کی مرضی پوری ہوئی۔ انکا اعتراف دوست اور دشمن سب کرتے ہیں۔ اپنی طرف سے اُنہوں نے خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی خدا نے بھی اُنکی ہر طرح مدد کی۔ آہ وارث الدین داغ مفارقت دیگیا

اگرچہ وہ مر گیا ہے۔ تو بھی کلام کرتا ہے

اتنی ہی عمر مرحوم کی تھی۔ خدا کی مرضی۔ تقدیر پوری ہوئی۔ مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خدمت میں انہوں نے اسقدر جان لڑادی کہ اپنی صحت کا مطلق خیال نہیں کیا۔ نہ کھانے پینے کی احتیاط رکھی۔ فنا فی الخدمت سمجھو یا شہید خدمت۔

(پی۔آر۔بی۔ایس پریس انارکلی لاہور میں باہتمام مسٹر الیف۔ڈی۔
وارث سیکرٹری پنجاب ریلیجس بک۔سوسائٹی لاہور پرنٹر چھپا)

CamScanner